

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

شاہ کارِ نبوت

مصنفہ

سید آلِ مزمل پیرزادہ ایم اے لیکچرار اسلامیہ کالج، لائلپور
نبیرہ حضور خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

عظیم پبلشنگ ہاؤس، خیبر بازار پشاور

اہتمام ...... عظیم اللہ خان
عظیم پبلشنگ ہاؤس پشاور

مطبع ...... شاہین برقی پریس اندرون کابلی گیٹ
پشاور



اشاعت اول ____ ۱۹۵۶ء

اشاعت دوم ____ ۱۹۶۴ء

تعداد ____ ایک ہزار

قیمت ____ دو روپیہ پچاس پیسہ

تقریظ از حامل علوم شریعت و طریقت خواجہ سدید الدین صاحب

سجادہ نشین آستانہ عالیہ تونسہ شریف (ضلع ڈیرہ غازیخان)

سید آل مزمل صاحب پیرزادہ ایم اے لیکچرار اسلامیہ کالج۔ لائلپور کے علمی مشاغل سے میں واقف ہوں۔ آپکو خواجۂ خواجگان حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ سے حسب و نسب کی نسبت حاصل ہے اس نسبت نسبی نے پیرزادہ صاحب موصوف میں علمی انہماک کے ساتھ وہ ذوق سلیم بھی پیدا کر دیا ہے جس کا بہترین نتیجہ آج شاہ کار نبوت کی صورت میں ہمارے سامنے ہے۔

سیرت قدسی پر متقدمین۔ متوسطین اور متاخرین نے بہت کچھ لکھا ہے۔ اگر مصنفین مشرق و مغرب کے لحاظات دیکھا جائے تو آج بھی یہی کہنا پڑتا ہے کہ ان کے قلم نے بھی اسی شاہ کار عظمت پر سب سے زیادہ خراج تحسین پیش کیا ہے۔ اس تازہ تصنیف "شاہ کار نبوت" کے دیکھنے سے واضح ہوتا ہے کہ مختصر طور پر مشرق و مغرب کی بہت سی تصانیف اور تالیف کا ماحصل نظر کے سامنے ہے۔ جس میں مزید تفکر و تفحص کے اثرات نمایاں ہیں۔ یعنی مشہور واقعات سیرت کے ایسے مفید نتائج بھی نظر کے سامنے آگئے جن سے شاہ کار نبوت کی اہمیت واضح سے واضح تر ہوگئی ہے۔ اس کے مطالعہ سے عظمت شاہ کار کا اثر۔ احسانات نبوی کا احساس۔ اور محبت رسول کا لطف و کیف دل میں پیدا ہوسکتا ہے۔ اور نشوونما پا سکتا ہے۔ قرون اولیٰ میں

اسی سے دارین کی سربلندی حاصل ہوئی۔ آج بھی اس نسبت نبوی ؐ کی یہی تاثیرات ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس دینی خدمت کو قبول فرمائے۔

اس زمانہ میں ذوق کی کمی کے ساتھ فرصت کی کمی بھی زبانوں پر آتی ہے ان حالات میں یہ محبت خیز و معیت ریز مختصر تصنیف انشاء اللہ تعالیٰ نہایت مفید ثابت ہوگی۔ خدا کرے اہل علم اور اہل نظر تک یہ تصنیف پہنچے۔ واقف سیرت اور ناواقف سیرت اس کو پڑھیں۔ علوم مغربی کے آشنا اور کالج کے طلبا بھی اس کو پڑھیں اور اپنے رسول محترم کی امتیازی شان اور محسن عالم کے شاہکار کی عظمت سے پوری طرح واقف ہوں۔ آپ کے پیغام کو اپنائیں اس کی نشر و اشاعت کریں۔ اور دارین میں اپنا اپنا حصہ سعادت حاصل کریں۔

فقیر سدید الدین سجادہ نشین تونسہ شریف

تقریظ از جناب پیر غلام وارث صاحب ایم، ایس، سی / بی، ای، ایس

سابق انچارج کالج سیکشن محکمہ تعلیم مغربی پاکستان لاہور

آج عزیز سید آلِ مزمل پیرزادہ ایم اے لیکچرار اسلامیہ کالج ڈیپور کی تازہ تالیف "شاہکارِ نبوت" دیکھ کر مجھے بڑی مسرت ہوئی۔ یہ واقعات سیرت پر ایک مفید تبصرہ ہے۔ انداز بیان دلکش اور طرز استدلال دل نشین ہے۔ امید ہے کہ اہلِ علم اس کو قدر کی نگاہ سے دیکھیں گے اس تالیف میں فکرِ قدیم اور فکرِ جدید کی یکجائی کو دیکھ کر جی چاہتا ہے، کہ یہ تالیف اسلامیات کے طلباء کے لئے ایک امدادی کتاب کی حیثیت سے پاکستان کی یونی ورسٹیوں اور دینی درسگاہوں میں رائج ہوسکے۔ اگر ایسا ہو تو انشاء اللہ یہ تالیف مولف سے زیادہ مخاطب کو فائدہ پہنچائے گی۔

مورخہ ۸ ؍ جون ۱۹۵۶ء

دستخط (پیر غلام وارث)

سرنامہ

نمی تواں کہ رسد مرغ سدرہ بر درِ خویش
زہے بلندیٔ بامِ تو یا رسول اللہ

اک بے برگ و بے نوا بارگاہِ رسالت میں یہ ہدیۂ نیاز پیش کر رہا ہے
اور سلطان الانبیاء کی شفقت بھری نظر سے مسرور ہے

(سید آلِ مزمل)

شب گذشتہ کی صبح نوفل ہر ہوئی اور زمین نے آسمان سے فخر کے لہجہ میں کہا۔

آفتاب تازہ پیدا بطن گیتی سے ہوا
آسماں ڈوبے ہوئے تاروں کا ماتم کب تلک

تاریخ اسلام اور سیرت طیبہ کا یہ مطالعہ برسوں جاری رہا۔ اس عرصہ میں اس عنوان پر تقریریں بھی ہوتی رہیں۔ جتنے کہ میرے چند رفقا نے فرمائش کی کہ اس مطالعہ کو ایک تازہ تصنیف کی شکل میں مرتب کیا جائے۔ حضرت سجادہ نشین آستانہ عالیہ سیال شریف (پنجاب) نے اپنی مرتبہ اس امر کی تائید کی، کہ آخر اللہ کا نام لیکر میں نے اس مہم کو اختیار کیا اور اب بہ الحمد للہ ایک مکمل تصنیف کی شکل میں نذر ناظرین ہے۔

میرے والد محترم جناب پیرزادہ سید آل نبی صاحب ایم۔اے (علیگ) کے علمی مشوروں سے کافی امداد ملتی رہی۔ برادر عزیز سید آل محبوب اور عزیز نسبتی مولوی فضل النبی صاحب بی اے نے بھی میرے ساتھ اس مبارک کام میں شرکت رکھی۔ میرے محترم بزرگ مولوی محمد ابراہیم صاحب فاضل دیوبند نے ان مضامین پر نظر ثانی فرمائی۔ میں ان کا شکر گذار ہوں۔ اللہ تعالے ان مساعی کو قبول فرمائے اور اپنی تائیدات کو ہمیشہ شریک حال رکھے۔

بحرمت النبیؐ و آلہ الامجاد (صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم)

سید آل مزمل پیرزادہ ایم اے لیکچرار اسلامیہ کالج لائلپور
(نبیرۂ حضور خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ)

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی

رسولہ الکریم وعلی الہ الاجمعین

تعارف تالیف

یارب کجاست محرم رازے کہ یک زماں
دل شرح آں دہد کہ چہ دید و چہا شنید

سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے لکھنے والے ایسے ایسے جلیل الشان ہو گذرے اور سیرت قدسی اس کثرت سے دنیا کی ہر ہر زبان میں لکھی جا چکی کہ اب مجھ جیسا بے بضاعت اس کی جرأت نہیں کر سکتا۔ اس لئے میں سیرت پر کوئی ضخیم اور طویل و عریض تالیف پیش نہیں کرتا۔ بلکہ میں سیرت قدسی پر دور حاضرہ کے طرز تحریر میں اور دور حاضرہ کے زاویۂ نظر سے ایک تبصرہ پیش کر رہا ہوں۔

زمن بر آں گل عارض غزل سرایم وبس
کہ عندلیب تو از ہر طرف ہزار انند

البتہ ترتیب عنوانات کے لئے چیدہ چیدہ واقعات سیرت کو اجمالی طور پر ضرور بیان کر دیا گیا۔ تاکہ ربط اور تسلسل کا لطف بھی باقی رہے اور عمیق تبصرے کا فائدہ بھی ہو سکے۔

یہ امر واضح ہے کہ بعثت نبوی کا زمانہ اتنا اہم زمانہ تھا کہ اس میں کسی شاہکار کا انجام دینا ناسازگاری ماحول کے ہوتے ہوئے کوئی آسان کام نہ تھا اور خصوصاً اس لئے کہ یہ وہ زمانہ تھا کہ نبی آخرالزمان سے پیشتر تمام انبیاء علیہم السلام کی کارفرمائیاں اپنا اپنا کام انجام دے چکی تھیں۔ ان کی امتوں کی رنگینیاں بھی سامنے آچکی تھیں۔ روحانیت اور رہبانیت کے دعوے دار پیدا ہو چکے تھے۔ اور ان کی گرمی محفل برپا ہو چکی تھی۔ یونان کے علوم و فنون اپنا رنگ جما چکے تھے۔ حکماء اور فلاسفر کا دور گذر چکا تھا روم میں سیاست اپنا دبدبہ قائم کر چکی تھی۔ مصلحین اقوام اپنی اپنی موعظت کا بھرپور مظاہرہ کر چکے تھے۔ میدان کارزار بھی بار بار گرما چکے تھے۔ سکندر سا ظالم اور بہت سے فاتح اور سلاطین کی سطوتیں قائم ہو چکی تھیں۔ صدر کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کے کارنامہ کو ان پر غالب آنا تھا۔ تمام کائنات کو پیام حق کیساتھ اس زندگی اور زندگی بعد الموت کیلئے تمام اسباق مکمل طور پر دینے کے لئے ایک ملک اور ایک قوم کو اس طرح مکمل طور پر آراستہ و پیراستہ کر دینا تھا کہ پھر وہ قوم خیر الامم کی حیثیت سے اٹھے اور دنیا کے چپہ چپہ تک اس پیام کو پہنچا دے۔ اور پھر قرناً بعد قرنٍ اور نسلاً بعد نسلٍ اس کا اعادہ ہوتا رہے۔ فی الحقیقت یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ وہ زمانہ ایک سادگی کا زمانہ تھا

جس میں صرف عرب کے صحرا میں ایک کام انجام دینا تھا۔ اور اس لئے یہ ایک آسان چیز تھی۔

اس تالیف سے میری یہ نیت ہے کہ عامۃ الناس اور بالخصوص آج کی مغرب زدہ مصروف امت کو ایک مختصر مطالعہ سے شاہکار نبوتؐ کی اہمیت کا اور اس کے پر منفعت ہونے کا صحیح اندازہ ہو۔ اور اس کا احساس ہو جائے کہ ؎

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیٔ داماں بھی ہے

اس کا اندازہ کرنے کے بعد آفتاب رسالت کے فیوض و برکات سے حصہ پا لینے کی اُمنگ ہو۔ اور گرمیٔ الفت کے ساتھ تعارفِ نبوت حاصل ہو تاکہ عرفانِ نبوتؐ سے بہرہ اندوز ہو کر عرفانِ خداوندی سے بہرہ مندی بھی میسر ہو اور پھر اس کے ماخذ یعنی قرآن و سنت کی طرف دستِ طلب بڑھیے۔ تاکہ قرنِ اوّل کے مومنین کی طرح دنیا اور آخرت کی عزت و ثروت۔ فلاح و بہبود۔ مراد مندی۔ دنیا کا تخت و تاج اور آخرت کی بلندیٔ مراتب حاصل ہو سکے۔ اور پھر ایک دفعہ دو جہان کے قدموں میں دنیا اور دنیا کی دعائیں لوٹتی ہوئی نظر آئیں۔ اور چشم بینا دیکھے کہ ؎

کسریٰ کا تخت روندنے کو پاؤں کے تلے
اور بوریا کھجور کا گھر میں بچھا ہوا

ان عنوانات کے بعد پھر دوسری جلد میں خاندان نبوت کے مناقب۔ حالات اور کارناموں کا بیان ہے تاکہ اہل نظر دیکھیں کہ خون نبوت جن کی رگوں

میں پہنچا۔ اُن سے ایسے ایسے شاہکار انجام پائے جن کے سبب اسلام کو ایک حیاتِ جدید میسر ہوئی۔

دورِ جدید کے جدت پسند سمجھ لیں کہ کائنات کے کہنہ اور فرسودہ دورِ قدیم کی عمر اہلِ تحقیق کے نزدیک دس ہزار سال بھی کہا جائے تو کم ہے اور اس لئے اس کائنات کی فرسودہ سالی کبیر السنی اور ضعف کا ایک ایسا وقت بھی آگیا تھا کہ حیاتِ ذہنی ختم ہو چکی تھی۔ اور دورِ قدیم کی ذہنی اور فکری حیات کا دم اکھڑ چکا تھا۔ اس کا آخری سانس ٹوٹ رہا تھا کہ ربّ العالمین نے اپنے انتہائی اکرام "اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ" کے مصداق رحمۃ اللعالمین کے مقدس ہاتھوں اور مسیحا نظری سے اس عالم اور اس کائنات کو ذہنی۔ فکری۔ مادی روحانی۔ قومی۔ سیاسی اور معاشرتی زندگی اور حیات از سرِ نو عطا فرمائی یقیناً یہ کوئی فکر آرائی نہیں بلکہ حقیقت بھی اسی طرح ہے کہ ؎

ہماں عشق است، بہ خود بستہ چندیں داستاں ورنہ
کسے بر معنی یک حرف صد دفتر نمی سازد

غرض سیّد الانبیاء کے مقدس ہاتھوں سے اس کائنات میں ذہن و فکر عقل رسا اور سعی و عمل کی ہم آہنگی کے لحاظ سے ایک دورِ جدید کی بنیاد پڑی اور اسی بنیاد پر ایک ایسا تیز رفتار انقلابِ رحمت برپا ہوا کہ جس نے بہتریت اور بہتریت کے امتیاز کو مٹا کر اللہ کی نعمتوں سے ہر ایک متنفس کے دامن خالی کو پُر کر دیا۔ روحانیت کی دولت کے ساتھ ساتھ دنیا کے تخت و تاج اور زر و جواہر کے خزانے بھی تقسیم ہو گئے۔ ہر ایک نے وہ پایا جو چاہا اور آخر

کے خزانے محفوظ اور (اندوختہ) ذخیرہ کے طور پر حصہ میں آئے۔ زندگانی دنیا کی راحت اس حیات کے لمحہ آخر کے مژدے "یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ" کے مطابق برزخ خوشگوار ایں جنت کے عظیم الشان انعامات، اللہ تعالیٰ کے دیدار کی لذتیں، جن کے تنعم بے پایاں کا انسانی ذہن کما حقہ قیاس نہیں کرسکتا۔ غرض سب کچھ ملا۔ اور حصہ میں آیا اس لئے کہ

یہ کائنات ہے ممنون جستجوئے رسولؐ
وقار امت وسطیٰ ز آبروئے رسولؐ
ہے درس گاہ رسالت کی کار فرمائی
سمائی جاتی ہے صحرائیوں میں خوئے رسولؐ
بنا دیا ہے انھیں بانیان تحت شہی
محیط خلق پہ پھر بھی ہے رنگ و بوئے رسولؐ
یہ سلسبیل، یہ کوثر، یہ سایۂ طوبیٰ
غرض سکون فراواں چہار سوئے رسولؐ
کرم نمائی ہے ان کی وہ آتے جاتے ہیں
خدا کا شکر کہ دل بن گیا ہے کوئے رسولؐ
الٰہی درد محبت کی اب مدد فرما
لگائے بیٹھا ہوں سینے سے آرزوئے رسولؐ

الٰہی سالک عاصی پہ رحم فرمانا
پریشاں حال سا انساں ہے آرزوئے رسولؐ

اس تالیف کی ترتیب میں اس کو ملحوظ رکھا ہے کہ ایک جلد میں ایسی معلومات جمع ہو جائیں کہ شاہ کارِ نبوت کی اہمیت کے ساتھ فیضانِ نبوت کے بہت (سے سرچشمے (اکابرِ امت کی خدمات کی شکل میں) نظر کے سامنے آجائیں اور پورا کاروانِ امت ان سرچشموں سے سیراب ہوتا ہوا نظر آئے۔ پھر روح کو جنبش ہو اور زبانِ حال کہے اور بار بار کہے کہ ؎

سالارِ کارواں ہے میرِ حجاز اپنا
اس نام سے ہے باقی آرامِ جاں ہمارا

راقم الحروف نے برادرانِ اسلام کی آسانی کے لئے بھی ان معلومات کو یکجا کر دیا ہے اور بالخصوص اس لئے کہ امت کا جب کوئی کارنامہ نظر آئے تو اس کی یہ حقیقت کہ وہ دراصل جنابِ خاتم الانبیاءؐ کا کارنامہ ہے ہر وقت نظروں کے سامنے رہے اور خاتم الانبیاء اور امت کے درمیان کوئی حجاب حائل نہ رہے اس لئے کہ ؎

ایں ہمہ شوخی و سرمستی نہ حدِ بادہ بود
با حریفاں ہر چہ کرد آں نرگسِ مستانہ کرد

دراصل امت کی ہر ذی مرتبت شخصیت آفتابِ رسالتؐ کی ایک شعاع ہے جس کے ذریعہ ہماری نظر بار بار آفتابِ رسالتؐ کی تابانی کی طرف جا سکتی ہے۔ اس نظریہ کا ایک نتیجہ یہ بھی ہوگا کہ اللہ کے اس احسانِ سراپا کی برکتیں اور ضیا پاشیاں ہم پر ہمیشہ ہمیشہ ہوتی رہیں گی۔ اور ہم شکر گذاری خالق کے فریضہ کو کسی حد تک انجام دیتے رہیں گے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ

کی بنا پر اس میں روز افزوں اضافہ ہوتا رہے "وان شکرتم لازیدنکم وما توفیقی الا باللہ - علیہ توکلت والیہ أنیب -

---

اب ہم کو اس بارگاہ کی طرف روانہ ہونے کے لئے تیار ہو جانا ہے۔ جہاں سے یہ آواز آرہی ہے :-

بازآ - بازآ - ہر آنچہ ہستی بازآ
گر کافر و گبر و بت پرستی بازآ
ایں درگہ ما - درگہ نومیدی نیست
صد بار اگر توبہ شکستی بازآ

بارگاہِ نبوت میں بہت کچھ نظر آئے گا۔ اس لئے پہلے دامنِ نگاہ کو وسیع کر لیں۔ بارگاہِ رسالت سے جو کچھ لینا ہے۔ اس کے لئے دامنِ سوال کو کشادہ کریں۔ ارشادِ باری یہی ہے کہ

مَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا

ترجمہ:۔ رسول جو تم کو دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں، اس سے باز رہو۔

کسی اہلِ بصیرت کا ارشاد بھی ہے ؎

در بزمِ وصالِ تو بہ ہنگام تماشا
نظارہ ز جنبیدنِ مژگان گلہ دارد
دامانِ نگہ تنگ و گلِ حسنِ تو بسیار
گل چینِ بہارِ تو ز داماں گلہ دارد

سیدالانبیا کی امتیازی شانِ رسالت اور جامعیت کبریٰ

اللہ تعالیٰ نے جن شاندار الفاظ میں حضور نبی آخرالزماں صلے اللہ علیہ وسلم کا تعارف کرایا ہے۔ وہ الفاظ حضور سرورِ دوعالم کے شاہ کار کی وسعتوں پر پوری پوری روشنی ڈالتے ہیں۔ ان میں سے حسبِ ذیل ارشادات کو اس وقت پیش نظر رکھنا ہے:۔

۱۔ پہلا ارشاد ہے:۔

وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَافَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا"

ترجمہ: ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لئے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے۔

۲۔ دوسرا ارشاد یہ ہے وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعالمین۔

ترجمہ۔ ہم نے آپ کو تمام عالموں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

۳۔ تیسرا ارشاد ہے:۔ لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولاً من انفسھم۔

ترجمہ:۔ اللہ تعالےٰ نے مومنین پر بڑا احسان کیا جب کہ ان میں رسول کو بھیجا

چوتھا ارشاد حسب ذیل ہے:۔

۴۔ ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین

ترجمہ: محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم لوگوں میں سے کسی کے باپ نہیں بلکہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور خاتم النبیین ہیں۔

۵۔ پانچواں ارشاد یہ ہے: قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ

ترجمہ: یعنی اے ہمارے حبیب ان سے کہہ دیں کہ اگر تم اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میری اتباع کرو۔ پھر اللہ خود تم سے محبت کرنے لگے گا۔

ارشاد اوّل ہم کو بتا رہا ہے۔ حضور باقدس اعمال حسنہ پر اللہ تعالےٰ کے انعامات کا مژدہ دینے والے اور اعمال قبیحہ پر عذاب الٰہی سے ڈرانے والے کی حیثیت سے تمام نسل انسانی کی طرف مبعوث ہوئے۔ گویا سرور کائنات تمام نسل انسانی کے اعمال پر نگران اور انسانیت کے ہادی کی حیثیت رکھتے ہیں۔

ارشاد دوم ہم کو بتا رہا ہے کہ سرور کائنات تمام عالموں کے لئے رحمت

بن کر مبعوث ہوئے۔ ہمارے پیش نظر اکثر دو عالم ہوا کرتے ہیں ایک یہ عالم آب و گل اور دوسرا عالم آخرت۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اس آیہ پاک میں ایک یا دو عالموں کا ذکر نہیں کیا ہے بلکہ یہ فرمایا ہے کہ حضور اقدس تمام عالموں کے لئے رحمت بن کر مبعوث ہوئے الحمد للہ رب العالمین سے یہ پتا چلا تھا کہ اللہ تعالیٰ تمام عالموں کا رب ہے۔ تو خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ جتنے عالموں کا رب اور پالنے والا ہے۔ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم، اُن سب عالموں کے لیے سراپا رحمت ہیں۔ ہر مقام و مکان ہر زمانہ و وقت ہمہ مکنونات عالم ہمہ اطباق ارض اور کل افلاک۔ اور ان میں رہنے والے عالم ہی کے اندر داخل و شامل ہیں۔ تو نتیجہ یہ نکلا کہ ان جملہ مقامات میں جملہ اوقات میں جہاں جہاں وجود رحمت اور نزول رحمت ہے۔ وہ حضور اقدس ہی کے وجود ذیجود کے سبب سے ہے۔

گویا تمام عالموں پر تمام مقامات اور تمام اوقات میں حضور اقدس کی شان رحمت حاوی ہے۔ اور ان سب پر حضور کی شان رحمت نادی جاری اور ساری ہے۔ اور ہر منتوسّل ہیں سے مالا مال ہے۔ مگر ؎

گدایاں را ازیں معنٰے خبر نیست

کہ سلطان جہاں با ماست امروز

تیسرا ارشاد ہم کو بتا رہا ہے کہ حضور اقدس اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم اور فضل عمیم بن کر مبعوث ہوئے۔ اب جو احسان اللہ تعالیٰ کا ہوا اور ہو رہا ہے۔ وہ حضور ہی کا صدقہ ہے۔ ظاہر ہے کہ تمام احسانات مختلفہ و انعامات

متنوعہ اس احسان کل ہی کے اجزا ہیں۔ اور اس لئے ؎

سر اینجا، سجدہ اینجا بندگی این جا، قرار این جا

چوتھا ارشاد ہم کو بتا رہا ہے کہ (اُمت کا رشتہ حضورؐ کے ساتھ ایسا محدود نہیں جیسا کہ باپ کا رشتہ اولاد کے ساتھ، حضور اقدس اُمت کے لئے بمنزلہ باپ کے نہیں بلکہ اس سے افضل حیثیت رکھتے ہیں۔ یعنی اُمت کے لئے آپ اللہ کے نبی اور رسول بن کر آئے ہیں۔ بلکہ خاتم النبیین بن کر مبعوث ہوئے ہیں۔ یعنی آپ کے بعد کوئی اور نبی آنے والا نہیں، اور اس لئے حضورؐ کی یہ حیثیت ابدالآباد تک کے لئے استوار ہے۔ اسی لئے قیامت تک ہدایت کا سرچشمہ حضورؐ ہی کی ذات گرامی ہے۔ روزِ قیامت تک رحمت کی بارش اسی ابرِ گوہر بار سے ہوتی رہے گی۔

پانچواں ارشاد ہم کو بتا رہا ہے کہ حضورؐ کی اتباع سے ہم اللہ کے محبوب ہو کر بہرہ مند ہو سکتے ہیں۔

اس تعارف کے ساتھ آج ہم اہل کائنات کو مخاطب کر کے یہ بتا رہے ہیں کہ جملہ عالم اور عالمیان کے لئے حضور اقدس سب سے بڑے محسن، سرچشمۂ رحمت، عامۂ مومنین کے لئے (اللہ تعالیٰ کا) احسان مجسم بن مبعوث ہوئے ہیں۔ اب ہماری سربلندی کا راز اسی میں مضمر ہے کہ ہم ایسے اہتمم بالشان محسن عالم اور انسان اعظم کے احسانات سے بہرہ مند ہونے کی کوشش کریں اور وہ بہرہ مندی دارین میں کام آئے۔

سوال یہ ہے کہ جو احسان محسن عالم سے ظہور پذیر ہوا، اس کی تفصیلات

کیا ہیں؟ اس نظر سے ہمیں شاہ کار نبوت پر ایک عمیق نظر ڈالنی ہے۔ اور اس کے لئے ہم فی الحال دو سوال پیش نظر رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس مرحلہ میں اپنے مقصود تک پہنچائے ؎

رہ رواں را خستگی راہ نیست
عشق ہم راہ ہست وہم خود منزل است

وہ سوالات جن کی روشنی میں ہمیں چلنا ہے یہ ہیں

۱۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عالم کو کس حال میں پایا؟

۲۔ حضور اقدس کے اصلاحی شاہ کار کی بدولت یہ عالم اپنی ترقی اور ارتقاء کی کس منزل تک پہنچا اور وہ ارتقاء کتنا جامع تھا اور اس شاہ کار کی بقاء کے لئے حضورؐ نے کیا انتظام فرمایا اور وہ انتظام کہاں تک کارفرما ہے۔

سیدالانبیاء نے اس عالم اور اس کائنات کو کس حال میں پایا؟

دنیائے قدیم کے تین براعظموں کا حال اسلام سے پہلے کیا تھا؟

سیّدالانبیاءؐ نے اس عالم کو جس دردناک اور پس ماندہ حالت میں پایا۔ اس کی تفصیلات حسب ذیل ہیں :۔

یہ تو بار بار بیان ہوتا رہتا ہے کہ سیّدالانبیاءؐ کی ولادت یا بعثت کے وقت عرب کی کیا حالت تھی۔ مگر میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ نہ صرف عرب بلکہ تمام دنیا اور سارے عالم کی کیا حالت تھی۔ دنیائے قدیم کے تین براعظم اس وقت پیش نظر تھے اور ان میں سے ہر ایک نسل انسانی سے معمور تھا۔ مگر نسل انسانی کے ذہن و فکر اور دل و دماغ پر مایوس کن جمود چھایا ہوا تھا۔ اس وقت کے نام نہاد مذہبی اور روحانی پیشوا جن سے لوگ ذہنی تفکری، مادی، روحانی اور ارتقائی دور کو حرکت دینے کی امید کر سکتے تھے۔ افسوس کہ خود وہ جماعت ہی اس جمود کا باعث تھی۔ فطری محرکات ذہنی کو مراسم جاہلیت نے مسخ کر کے باطل کی راہ پر ڈال دیا تھا۔ اسی سے نسل انسانی ذہنی تنزل کی منزلیں سرعت کے ساتھ طے کر کے غفلت کی آغوش میں آ کر ذہنی موت کی نیند سو چکی تھی۔

یہی وہ وقت ہے جس کو عرب اور ایشیا میں ایام جاہلیت اور یورپ میں "مڈل ایجز" یعنی قرون وسطیٰ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ یہ دور یورپ کے لئے ایک بڑا طویل اور تاریک دور تھا۔ انبیاء و سابقین کی تعلیم و تلقین کو مسخ کیا جا چکا تھا۔ یونانی علم و فن کے چرچے پیدا ہو ہو کر ناپید ہو چکے تھے۔ مابعد کی صدیوں میں آخری دو نبی حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ تھے۔ حضرت موسیٰ کی ہدایت اور اُن کا اصلاحی کارنامہ خود یہودی پیشواؤں کے ہاتھوں مسخ ہو چکا تھا اور قوم یہود اپنی بے شمار بد اعمالیوں سے بدنام ہو چکی تھی۔ حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ جیسے پاکباز نادی پر جیسی طعن و تشنیع کو انھوں نے روا رکھا وہ خود ان کی ذہنی موت کا بین ثبوت تھا۔

۱۔ افریقہ [دنیائے قدیم کے تین بر اعظم یعنی افریقہ، ایشیا اور یورپ کا حال اسلام سے پہلے] افریقہ میں اقتدار کی نمائندگی فراعنہ مصر کر رہے تھے۔ اور وہ اپنے لئے تو بادشاہ اور شہنشاہ کے القاب سے بھی مطمئن نہ ہوتے ہوئے ربانیت کے دعوے دار بن بیٹھے تھے اور عامۃ الناس کے لئے نہ صرف سیاسی فرماں برداری اور سیاسی وفاداری پر قناعت نہ غلامی پر صبر، بلکہ ان کو اپنے جبروت سے بندگی کی سرحد پر کھڑا کر کے سربسجود رہنے کا حکم دیتے تھے۔ فکر انسانی انسان کے ساتھ یہ کر رہا تھا کہ دریائے نیل میں ایک لڑکی ہر سال قومی فیصلہ کی رو سے نذر کی جاتی تھی تاکہ اس کے سیلاب سے نقصان نہ ہو۔ ظاہر ہے جس انسانی نسل کا ذہن اس طرح ان خرافات میں پامال ہو رہا ہو، اس کی ذہنی اور تفکری موت کتنی

جلدی واقع ہو چکی ہو گی۔ اس کے بعد زندگی یقیناً محض حیوانی نقل وحرکت کی بنا پر تھی ہر ذی فہم آج بھی اس جینے کو انسانیت اور آدمیت کی موت ہی سے تعبیر کرے گا مختصر الفاظ میں یوں سمجھئے کہ یہ انسان پرستی کا دور تھا۔ انسان جس اربعہ عناصر سے مرکب ہے ان اربعہ عناصر کی پرستش بھی جاری تھی۔

۲۔ ایشیا دنیائے قدیم کا ایک دوسرا براعظم ایشیاء تھا۔ اس کے شاندار ملکوں کی حالت بھی بد سے بدتر تھی۔ اگر ایران میں آتش پرستی ہو رہی تھی تو ہندوستان میں حجر پرستی (بت پرستی) اور شجر پرستی کا دور دورہ تھا۔ دریاؤں کا فرضی تقدس پرستش آب کی طرف بہائے لے جا رہا تھا۔ ہندوستان کے مذہبی پیشوا ہوائے نفسانی کے درپے ہو کر نفس پرستی کے پیچھے پڑے ہوئے تھے۔ غرض ہر چہار سمت اربعہ عناصر کی پرستش اور اس کی خدائی کا ڈنکا بج رہا تھا۔

عرب بھی ایشیا کا ایک ملک تھا۔ اور وہاں اسلام سے پیشتر جو کچھ ہو رہا تھا۔ وہ بھی اس سے کم نہ تھا۔ جس کا ذکر اس عنوان کی بحث میں آ ہی جاتا ہے۔ اور اس لئے ہم اس کی طوالت سے گریز کرتے ہیں۔ ستم یہ تھا کہ فکر صحیح کا جمود ہی نہیں۔ بلکہ ہلاکت کی سمت میں اس کا سیلاب تیز رفتاری سے امنڈا چلا آ رہا تھا۔ اور فکر باطل عورت کی بقا کو فنا کے گھاٹ اتارنے میں اپنے نت نئے منصوبوں میں مصروف کار تھا۔

ہندوستان میں ستی کی جاہلانہ اور مہلک رسم کو تقدس کی شکل میں منایا جا رہا تھا تو عرب میں قبل اسلام دختر کشی کا دور جاری تھا۔ ان کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ اگر ان مراسم باطلہ کو روکا نہ گیا تو کسی روز ایک قوم یا ملک نہیں بلکہ تمام عالم میں نسل انسانی پھوٹنے اور پھیلنے کی جگہ سمٹ کر اور فنا ہو کر رہ جائیگی۔

خودغرض برہمن گروہ کے ہاتھوں ہندوستان کی علمی جدوجہد کا گلا گھٹ رہا تھا۔ ان کی اجارہ داری Monopoly نے دیگر تمام طبقوں سے یہ حق چھینا ہوا تھا۔

۳۔ یورپ

دنیائے قدیم کے تیسرے براعظم یورپ پر بھی اسی قسم کا دور جاری تھا۔ عیسائیت رومن حکومت کے سہارے سے تمام براعظم پر چھا چکی تھی۔ نیک دل مذہبی پیشوا تعطل اور رہبانیت کی زندگی بسر کر کے اپنے دور کو ختم کر چکے تھے۔ اور خودغرض مذہبی پیشوا پادریت اور پاپائیت کے چولے میں اس براعظم کی علمی۔ ذہنی اور تفکری زندگی پر اجارہ داری اور Monopoly رکھتے تھے۔ مساعی علمی مذہبی طور پر بائیبل کی شرح اور تفسیر تک محدود کی جا چکی تھیں اور اس شرح و تفسیر کی بنا پر اعتقادات مذہبی کے اختلافات کا دور شروع ہو کر خطرناک حد تک Catholic اور پروٹسٹنٹ Protestant ہی نہیں بلکہ یہ فرقے شاخ در شاخ ہو کر تمام براعظم میں پھیل گئے تھے اور خون ریز اختلافات کی گرما گرمی جاری تھی۔ ہم اس موقع پر چند اقتباسات بھی دینگے جن کا ماخذ ڈاکٹر ڈائٹ۔ کارلائل۔ ہگنز۔ خالد شیلڈرک وغیرہ کی تصانیف ہیں چنانچہ اس دور کے لئے ہم ایک مقولہ درج کرتے ہیں۔ جو ان المناک اختلافات کی تصویر سامنے رکھ دیتا ہے۔

ہگنز Higgins اپنی کتاب اپالوجی فور محمدؐ Apology For Mohammad میں کہتا ہے۔

usband against wife children against parents

ery house was divided against itself The whole

framework of society was loosened. Towns a[nd]
cities flowed in blood

[تر]جمہ: یعنے اختلاف عقائد کے سبب سے خاوند بیوی کے خلاف تھا۔ بچے
[وال]دین کے خلاف تھے۔ ہر ایک کنبہ اور ہر ایک گھر پرخچے پرخچے اور ٹکڑے ٹکڑے ہو
[گیا] تھا سوسائٹی کا نظام بالکل ڈھیلا ہو گیا تھا۔ شہر اور قصبات خونی سطح پر تیر رہے تھے
علمی دور کے متعلق بھی یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اس وقت فیوڈل لارڈ
Feudal L[ords] اور بڑے بڑے بیرن Barons یعنی مالک
[ر]ئیس اور امراء لکھنا پڑھنا تک نہیں جانتے تھے۔ ڈاکٹر وائٹ
Dr. White نے اس امر کا اقرار ان الفاظ میں کیا ہے

In 8th, 9th, 10th and succeeding centu[ries]
great barons and feudal lords did not kno[w]
how to read and write.

[تر]جمہ: یعنے آٹھویں۔ نویں۔ دسویں اور اس کے مابعد کے صدیوں میں یورپ کے
[بڑ]ے بڑے نواب اور رئیس لکھنا اور پڑھنا نہیں جانتے تھے۔

نئی دنیا کے دو بر اعظم آسٹریلیا اور امریکہ ہنوز عالم وجود میں نہیں آئے تھے
[اس] لئے ان کا سوال اس موقع پر پیدا ہی نہیں ہوتا۔

غرض مختصر الفاظ میں یوں سمجھئے کہ نہ صرف عرب بلکہ تمام دنیا اور تمام عالم پر
[...]پستی اور عام تفکری اور ذہنی جمود اور سکوت طاری تھا اور اس لئے علمی
[...] اور ذہنی ارتقاء کا سلسلہ مایوس کن طریقہ پر بند تھا۔ اور بند کیا جا چکا تھا۔ یہی

وہ وقت تھا۔ جس کے متعلق ہندوستان میں یہ امر ضرب المثل بن کر عام ہو گیا
ہے کہ وید پڑھتا تو در کنار وید کی آواز اتفاقاً سن پانے پر ایک شودر کے کان میں
سیسہ پگھلا کر ڈالا جاتا تھا۔ یعنی وید جو مذہبی اور علمی کتاب سمجھی جاتی تھی وہ صرف
برہمن کی ملکیت تھی اور اس کو پڑھنے کا حق صرف برہمن کو تھا۔ یورپ میں بادشاہ
اس امامت کبریٰ کی ٹھیکہ دار تھی۔ غیر پادری عبادات میں پیشوائی کر ہی نہیں سکتا
ستم یہ تھا کہ دنیائے قدیم کی تمام بڑی بڑی حکومتیں اور چیدہ چیدہ اقوام اپنے
خیالات میں اس قدر غرق تھیں کہ خود ذہن و فکر اور علمی تعطل کا باعث
ہو جب بھی تھیں۔ اور اصلاحی جد و جہد کو بدعت دینی سمجھ کر سختی
سے روکتی تھیں۔ اس لئے وادیٔ فرات ۔ بابل ۔ یونان ۔ مصر
عرب ۔ ایران ۔ ہندوستان کے علمی دور جتنا کچھ کام کر چکے تھے وہ یا تو
اور معطل ہو چکا تھا۔ یا مسخ ہو چکا تھا۔

مزید برآں یہ کہ فراموش کردہ اور مسخ کردہ کارناموں پر افسوس بھی
اپنی اس جہالت اور زبوں حالی کے باوجود سمجھتے یہ تھے کہ ہمارا دور تو فخر کا دور
ہے ۔ پندار انسانی اس وقت شیطان کی طرح نسل انسانی پر مسلط تھا اور کسی
اصلاحی امر کے قبول کرنے کا مادہ ختم ہو چکا تھا۔ قیصر و کسریٰ کے دبدبے اور
عرب کے جبروت دماغوں پر مسلط تھے۔ جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے ۔
کی تعلیمات کو یا فراموش کیا جا چکا تھا ۔ یا ان کی شکل بدل کر ان کو مراسم باطل کی
صورت دی جا چکی تھی ۔ غرض اس وقت اصلاحی سعی و کوشش بڑی بڑی
حکومتوں اور بڑی بڑی اقوام اور بڑے بڑے نام نہاد پیشوایان مذہب کے

م جنگ تھا۔ اس سے اُن کے اقتدار کو بھی ٹھیس لگتی تھی اور اس لئے کوئی
کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ غرض دنیائے قدیم حیاتِ معنوی کے لحاظ سے
دہ ہو چکی تھی۔ اور دورِ قدیم اپنے آخری سانس توڑ رہا تھا۔ نسلِ انسانی مضمحل
نڈھال ہو چکی تھی۔ مشیتِ الٰہی اور قضائے قدر نے ایسے نازک وقت کے
جو در و بست کیا ہوا تھا۔ اب اُس کے ظہور کا وقت قریب آگیا تھا یعنی سید
بیاء اور خاتم الانبیاء اس جامعیتِ کبریٰ کے ساتھ جلوہ افروز ہونے والے تھے۔

مسیحا یار و خضرش ہمرکاب و ہم عنان یوسف
فغانی آفتاب من بدیں اعزاز می آید

سید الانبیاء نے اپنی تعلیمات اور جہدِ بلیغ سے اس عالم اور اس کائنات کو ارتقاء
ل منزل تک پہنچایا۔ اور اس کی بقا کا کیا انتظام فرمایا۔ اس کا جواب چند سرخیوں
ادرج ہے۔

سیّد الانبیاء کی آمد آمد

اور

اُس کا اہتمام

جو عظمتِ شاہکار کی خبر دیتا ہے

مسیحا یار و خضر ہم رکاب و ہم عنان یوسف
فغانی آفتابِ من بدیں استغنا می آید

صدرِ کائنات یعنی حضور احمدِ مرسل صلے اللہ علیہ وسلم کی آمد ایسا واقعہ نہیں
اچانک ظہور پذیر ہو گیا ہو۔ بلکہ حضورؐ کی آمد آمد کا اہتمام اور تمنائیں کثرت
کتب میں ملتی ہیں۔

حضورؐ کی نبوت کی صولت اور آمد آمد کی شوکت کا اس سے اندازہ کیجئے کہ
ابراہیم علیہ السلام بڑے اولوالعزم انبیاء میں سے ہیں۔ خود نبی ہیں بلکہ ابو الا
ہیں۔ اس لئے کہ آپ کی اولاد اور آپ کے خاندان میں نبوت تا دیر قائم رہی
یکے بعد دیگرے نبی پیدا ہوتے رہے۔ کیسا وقتِ خاص ہو گا اور لفائے
حنیف کے لئے جذبات میں کیا تلاطم ہو گا۔ جس کا مظاہرہ بناءِ کعبۃ ا
وقت حضرت ابراہیمؑ کی اس دعا سے ہوتا ہے۔ جس کا ذکر قرآن کریم میں ہے

پہلا پارہ رکوع ۱۳ :-

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ
رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ؕ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا
مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۔ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَ
تُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۔ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ
رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ
وَيُزَكِّيْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

ترجمہ :- جب ابراہیم اور اسماعیل کعبہ کی دیواریں بلند کر رہے تھے (تو یہ دعا زبان پر تھی) اے اللہ اسے قبول فرما تو سننے والا اور جاننے والا ہے۔ اے ہمارے رب ہم دونوں کو اسلام پر رکھنا اور ہماری ذریت سے امت مسلمہ قائم کرنا۔ ہمکو مناسک حج سکھا۔ اور ہماری توبہ کو شرف قبولیت عطا کرنا۔

اے اللہ ان ہی میں سے ایک رسول کو بھیجنا جو ان پر تیری آیات پیش کرے۔ کتاب و حکمت سکھائے اور ان کا تزکیہ کرے۔ یقیناً تو ہی غالب حکمت والا ہے۔

گویا حضرت ابراہیمؑ خود جلیل القدر نبی ہیں اور ان کے پہلو میں حضرت اسمٰعیلؑ ایک جلیل القدر نبی موجود ہیں۔ مگر پھر بھی ایک آخری نبی کے لئے بارگاہ خداوندی میں دعا کر رہے ہیں۔ اور اس نبی کے آنے کا مقصد بھی بیان کر رہے ہیں۔ اس کے ساتھ حضورؐ کے اس ارشاد کو پڑھیں "انا دعوۃ ابی ابراہیمؑ" یعنی میں اپنے باپ ابراہیمؑ کی دعا ہوں (یعنی ان کی دعا کا نتیجہ اور ثمر) غرض نتیجہ یہ نکلا کہ حضورؐ کی بعثت کا یہ اہتمام ہمیں حضرت ابراہیمؑ کے زمانے سے ملتا ہے۔ اگر بلحاظ

کا خوف نہ ہو تو بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ حضورؐ کی بعثت کا اہتمام تو روزِ ازل سے ہے۔ اور اس کے لئے اس وقت اتنا کہہ دینا بھی کافی ہے کہ اللہ تعالےٰ نے انبیاء سے روزِ ازل اپنی ربانیت کا میثاق لے کر دوسرا میثاق حضورؐ کی نبوت کا لیا چنانچہ آیۂ پاک " اذاخذ اللہ میثاق النبین ....." اس پر شاہد ہے۔

اگر ہم سینٹ جون یوحنا St. John کی بائبل اٹھا کر دیکھتے ہیں تو ہمیں اس میں یہ الفاظ ملتے ہیں۔ I have many things to say unto you but ye cannot bear them now. Howbeit: the Spirit of Truth will come and guide you unto all the truth.

ترجمہ: گویا حضرت عیسیٰؑ فرماتے ہیں کہ مجھے تم سے بہت سی باتیں کہنی ہیں۔ مگر ابھی تم ان کو سمجھ نہیں سکتے تاہم ایک رُوحِ حقانیت آئیگی اور تم کو پوری پوری صداقت کی تعلیم دی جائیگی۔"

قرآن کریم میں اس قول کی تائید میں یہ قول ملتا ہے۔

یاتی من بعدی اسمہٗ احمد

اس کے علاوہ اگر ہم عہد نامہ قدیم یعنی Old Testament کو اٹھا کر دیکھتے ہیں تو ہمیں زبور اور توراۃ میں بھی حضورؐ کی آمد کی پیشین گوئیاں ملتی ہیں۔ توریت کے الفاظ دیکھیں یہ پیشین گوئی یہود نے توراۃ میں پڑھی تھی اور اسی لئے ان کو ایک نبیؐ کی آمد آمد کا انتظار تھا۔ یہودیوں سے سُن کر انصارِ مدینہ کے کان بھی اس سے آشنا تھے۔ اور اسی لئے وہ مکہ میں حضورؐ سے مل کر

اتنے متاثر ہوئے کہ یہود مدینہ پر سبقت لے جانے کے خیال سے فوراً داخل
اسلام ہوگئے۔ وہ پیشین گوئی یہ ہے

And the Lord said unto me... I will raise them up [illegible] prophet from among their brethren. like unto thee, and I will put my words in his mouth and he shall speak unto them all that I shall command him.

ترجمہ:۔ اور اللہ نے مجھے یہ فرمایا کہ میں تم میں تمہارے ہم جنسوں ہی میں سے
ایک اور پیغمبر بھیجونگا۔ تمہاری مثل۔ اور میں اپنے الفاظ اس کی زبان پر رکھ دوں گا
اور وہ ان سے وہ تمام باتیں بیان کر دے گا۔ جن کا میں اس کو حکم کردوں گا۔
خط کشیدہ جملہ کو قرآن کریم کی اس آیت کے سامنے رکھیں تو کس قدر
مطابقت ہوتی ہے۔

وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوٰى - اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰى

ترجمہ:۔ یعنی یہ اپنی خواہش سے کوئی بات نہیں کہتے بلکہ وہ ہی کہتے ہیں
جو انہیں وحی کی جاتی ہے۔

اتھروید اور اٹھارہویں پران یعنی بھوشیہ پران میں ہے۔
۱۔ وہ آخری زمانہ کا اوتار سنگل دیپ میں جنم لے گا۔ پروفیسر مکیڈونلڈ نے
اپنی سنسکرت کی لغت میں سنگل دیپ کے معنی ملک عرب لکھے ہیں)

۲۔ ان کے پتا کا نام وشنو داس ہوگا۔
(وشنو اسم ذات ہے یعنی "اللہ" داس کے معنی غلام یعنی "عبد" ایک
پورا نام عبداللہ ہوا اور یہی حضور کے والدِ ماجد کا نام ہے)
۳۔ ان کی ماں کا نام سُمتی ہوگا (جس کے معنے امین یا آمنہ ہیں اور یہی حضور
کی والدۂ گرامی قدر کا نام نامی ہے)
۴۔ سب سے پہلے وہ اوتار پہاڑ کی کھو میں بیٹھ کر تپسیا کرے گا (غار حرا کی
عبادات کی طرف اشارہ ہے)
۵۔ وہاں آنے والا آئے گا۔ اور اس کو سبق پڑھائے گا۔
(حضرت جبرئیل کا آنا اور سورۂ اقراء کی آیات کے پڑھانے کی طرف اشا
رہ ہے)
۶۔ اس کو اپنے دیش میں کلیش یعنی "تکلیف" پہنچیگی تو وہ شمالی پہاڑوں پر
چھوڑ کر چلا جائیگا (مکہ کی تکلیف اور مدینہ کی ہجرت کی طرف اشارہ ہے
مدینہ مکہ سے شمال ہی کی جانب ہے اور پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے)
۷۔ اس اوتار کے ایک لاڈلے بچے کو ایک گرم میدان میں قتل کیا جائیگا (و
کربلا میں شہادتِ امام حسین علیہ السلام کی طرف اشارہ ہے)

غرض سید الانبیا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمد آمد کا یہ اہتمام ہم کو دیگر غیر
آسمانی کتب میں کثرت سے ملتا ہے۔ اور اس سے یہی واضح ہوتا ہے
مشیتِ الٰہی میں حضور سید الانبیاء کا شاہکار یعنی دیگر تمام انبیاء کے کار

سے فائق تر ہونے والا تھا۔ اور حضورؐ کے شاہ کار کی بدولت کائنات کو ترقی کی انتہائی منزل پر پہنچنا تھا۔

کائنات میں انقلاب رحمت اور اہل کائنات کی حیات جدید

اس کی تائید میں مورخین اور مفکرین یورپ کے اقوال

بعثت نبوی اور اہل کائنات کا تحرک ذہنی

ہمارے سامنے اس وقت خالد بشیلڈرک کا ایک قول ہے۔ ملاحظہ ہو۔

His advent marks the dawn of a era. The old world was dead. It had been dead for many centuries before him while the race of progress started by him ocnjiaues unbroken to this day. He stands at the head of the Modern Age and is its great progenitor.

ترجمہ

حضور اقدس صلعم کی بعثت ایک نئی اور جدید دور کی صبح سعادت ہے دنیائے قدیم مردہ ہو چکی تھی۔ اور یہ دنیا تو حضور کی بعثت سے چند صدی پیشتر ہی مردہ ہو چکی تھی۔ درآں حالیکہ ایک جدید دور کی ارتقائی دوا دوش جو حضور کی بعثت کے سبب جاری ہوا۔ آج تک بغیر انقطاع جاری ہے۔ درحقیقت موجودہ دورِ جدید کے آغاز پر پیغمبر اسلام اور آن کا شاہ کار نظر آرہا ہے اور حضور ہی اس دورِ جدید کے ابوالاباد ہیں۔

دینِ مبین کی رفتار غرض آنحضرتؐ کی نبوت کے ساتھ ہی حضور کی مساعیٔ جمیلہ تیز رفتاری سے شروع ہوئیں۔ مکہ کی ۱۲ سالہ جد وجہد کے بعد ہجرت واقع ہوئی اور مدینہ طیبہ کے دس سالہ دور میں رفتار کار کا یہ عالم ہوا کہ اس کو بھی ہم ایک اہل یورپ کی زبان ہی میں لکھتے ہیں جس نے دورِ جاہلیت کا ایک منظر پیش کرکے سید الانبیاء کے کارنامہ کی رفتار کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے :-

t this time arose the religon of Mohommad a religion stined to sweep like a tornado over the face of rth to earty before it empires, kingdoms and stems and to throw them like dust before the wind

(یورپ میں ایک تاریک دور جاری تھا۔ اور مذہبی عقائد کے اختلاف سے خانہ جنگی ہو رہی تھی کہ) اسی وقت پیغمبر اسلام کا مذہب رونما ہوا۔ ایک ایسا مذہب جس کے لئے مقدر ہو چکا تھا کہ سطحِ زمین کو ایک آندھی کی طرح حکومت ہائے باطلہ اور مراسم ہائے باطلہ سے صاف کر دے۔ اور اُن کو خاک کے ذرّوں کی طرح بادِ تند کے آگے ڈال دے۔

مکّی زندگی کے ۱۳ سال دینِ خالص کی ترویج میں اور سرگرمی تبلیغ میں بڑے صبر و تحمل کے ساتھ صرف ہوئے۔ اذیت کو اس خوبی سے برداشت کیا گیا کہ باید و شاید۔ اس دور میں جو تعداد مسلمانوں کو میسر آئی۔ وہ ایک ایک دو دو کر کے بہم پہنچی تھی۔ ایک وقت یہ بھی تھا کہ بانیٔ اسلام کی دعوت پر جنھوں نے لبیک کہا۔ وہ صرف چار ہستیاں تھیں۔ ان میں دو اہل خاندان۔ ایک دوست اور ایک خادم خاص تھے۔

۱۔ حضرت اُم المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰ

۲۔ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ۔

۳۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ۔

۴۔ حضرت زیدؓ۔

غرض مکّی زندگی کے ۱۳ سال میں اہل مکہ اور وہ اہل مدینہ جنھوں نے مکّہ میں آکر اسلام قبول کیا اور جو لوگ واقعہ بدر تک قبول اسلام کر چکے تھے۔ اُن کی کل تعداد ۳۱۳ تھی۔ ظاہر ہے کہ ہجرت کے لمحہ نازک تک یہ تعداد بھی پوری نہیں ہوئی تھی۔

ہجرت اور داخلہ مدینہ اب مکی زندگی کا تیرھواں سال ہے۔ اذیت کی بھرمار ہے مصائب کی شدت ہے۔ اللہ کے دشمن اعلاء کلمۃ اللہ کے مشن کو قدم قدم پر شدت سے روکتے چلے جارہے ہیں سیدالانبیاء کو حالت نماز میں بھی اذیت دی جارہی ہے۔ کفارِ مکہ نے اپنے تمام مشاغل کو پس پشت ڈال کر دین حنیف کے استیصال کو پیش نظر رکھا ہوا ہے سیّدالانبیاء اور رحمۃ للعالمین کے شہید کر دینے کا مشورہ بھی ہو چکا ہے۔ مکّہ کی یہ آخری شب ہے کاشانۂ رسالت محصور ہے۔ کفار مکہ کے ہاتھوں میں برہنہ شمشیریں ہیں، کہ حضور کاشانۂ رسالت سے ہجرت کے قصد سے برآمد ہوتے ہیں حضرت علیؓ بستر نبوت پر حکم نبوت سے سو جاتے ہیں کہ صبح رسول امین کے پاس جو امانتیں ہیں اُن کو لوٹا دیں۔ حضرت صدیق اکبرؓ ہمرکابی کا شرف پاتے ہیں اور مکہ سے ہجرت ہو جاتی ہے۔

دنیا میں اس سے زیادہ نازک لمحہ اور کیا ہو سکتا ہے مگر حیات قدسی کے اس ایک لمحہ کی بھی مشیت اور قضا و قدر نے یادگار رکھی ہوئی ہے کہ یہ اسلام اور مسلمانوں کی ترقی کی وہ خوش گوار یادبن جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ حضرت علی کرم ؓ کے مشورہ سے اپنے زمانۂ خلافت میں مسلمانوں کے سن و سال کا شمار اسی لمحہ سے قرار دیتے ہیں تو یورپ کے مورخین بھی اس کی تاریخی اہمیت کو ان شاندار الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

From this era must be dated not the Hijra only but the beginning of gread revolutions, overthrow of

mighty states and kingdoms and foundation of se
of the most magnificent empires which the globe h
ever seen.

ترجمہ:۔ اس سال سے نہ صرف ہجرت کا شمار ہوگا بلکہ بڑے بڑے انقلابات کا شمار اس سال سے ہوگا۔ بڑی بڑی حکومتوں کے استیصال کا شمار اسی سال سے ہوگا اور بعض ایسی اسلامی حکومتوں کے آغاز کا شمار بھی اسی سال سے ہوگا کہ جس سے زیادہ شاندار حکومتیں سطح زمین اور کرۂ زمین پر شاید ہی کبھی پیدا ہوئی ہوں۔

رفتار کار کا اور وضاحت سے اندازہ ہوتا ہے۔ جب ہجرت کے ساتھ داخلہ مدینہ کی کیفیت پر غور کرتے ہیں۔ مدینہ شہروں کی فہرست میں وہ پہلا شہر ہے۔ جس نے بحیثیت شہر اسلام کو قبول کیا اور یک لخت اس کی اکثریت پر اسلام چھا گیا اور اسلامی نظام قائم ہوگیا۔ غیر مسلم عنصر سے معاہدات امن ہو گئے۔ اسلام کے ہاتھ میں ابھی تک تلوار نہیں ہے بلکہ دشمن تیرہ سال سے لگاتار تلوار، تیر اور سنگ باری سے اسلام کا تعاقب کر رہا ہے اس کے لئے بھی ہمیں مخالف کیمپ کا ایک قول ملتا ہے۔

✓ It was the first city which as a city adopte

his religion. A question naturally arises as to what his religion could consist of, which could have such an influence. No weapon had yet been used but reason and eloquence so that the Christian pirests cannotattribute this conversion to the fear of sword

ترجمہ: یہ پہلا شہر تھا۔ جس نے بحیثیت شہر اُن کے دین مبین کو اختیار
کیا۔ ایک سوال قدرتاً یہاں پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہ دین مبین کن تعلیمات
پر مشتمل تھا۔ جو اس قدر اثر انداز تھا۔ ہنوز کوئی ہتھیار بجز زورِ استدلال اور
فصاحت کے استعمال ہی نہیں ہوا۔ اس لئے عیسائی پادری یہ بھی نہیں کہہ

سکتے کہ یہ شہری انقلاب تلوار کے زور سے ہوا

حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم فرمودۂ خداوندی بے رحمتہ للعالمین ہیں کفار مکہ نے اس عظیم الشان رحمت کی قدر نہ کی۔ بلکہ ایذا رسانی کا ایک ایسا سلسلہ جاری رکھا کہ ہجرت کی نوبت آئی۔ زیادہ عرصہ نہ گذرا کہ ان کے ستر فراعنہ اپنے ان افعال شنیعہ کے اقدامات کی سزا بھگت کر بدر کے میدان میں خاک و خون میں غلطاں نظر آئے اور ستر شخص گرفتار ہوئے۔ اور پھر وہ بھی دن آ ہی گیا کہ فتح مکہ کے موقعہ پر ان کے معبودان باطل ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کعبۃ اللہ سے نکالے گئے اور یہ معبودان باطل اور ان کے پرستار واصل جہنم ہوئے۔

انکم وما تعبدون من دون اللہ حصب جھنم)

پہنچی وہیں یہ خاک جہاں کا خمیر تھا۔

اہل مدینہ اہل نظر تھے سرور کائنات کی شان رحمتہ للعالمینی سے واقف ہو گئے تھے۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ

ز فرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم

کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

اس لئے انہوں نے کفار مکہ کے برعکس رحمتہ للعالمین یعنی حضور اقدس صلعم کا پرتپاک اور پرجوش خیر مقدم کر کے جو فوز عظیم حاصل کیا اس کی مثال دنیا میں نظر نہیں آ سکتی۔ آج تک تمام امت کی نظریں مدینہ اور اہل مدینہ کو جس عزت و عظمت اور حرمت کی نظر سے دیکھ رہی ہیں اس کا اندازہ نہیں ہو سکتا اور یہ کہ سرور کائنات کے وجود گرامی سے اس سرزمین کو عند اللہ جو مرتبت حاصل ہے کیوں کر

اس کا اندازہ لگایا جائے (روضتہ من ریاض الجنتہ)
اسی سرزمین کا ایک خطہ ہے

بدر

غرض حضور اقدس صلعم نے مدینہ طیبہ میں پہنچ کر امن عامہ کے لئے ضروری معاہدات کئے اور دیگر ضروری انتظامات انجام کو پہنچائے۔ مسجد نبوی کی تعمیر ہوئی اور اب تبلیغ اسلامی کا کام زیادہ تیزی سے ہونے لگا۔ کفار مکہ اسلام کی اس ترقی کو کیونکر دیکھ سکتے تھے۔ اس لئے ان کا اضطراب اور بڑھ گیا حتیٰ کہ ان کی آتش حسد سے بدر کا واقعہ برپا ہو گیا۔ جس طرح سے ہمارے ناظرین نے حضور اقدس صلعم کی ولادت۔ بعثت۔ ہجرت کی اہمیت اور نتیجہ خیزی پر غور کیا اب وہ دیکھیں کہ سرور کائنات کا یہ پہلا غزوہ خود اپنی جگہ کتنا مہتم بالشان ہے۔ حق و باطل کا پہلا کھلا تصادم ہے۔ اور نہایت نتیجہ خیز ہے۔ آج تمام عالم اور تمام اہل عالم کی قسمت کا فیصلہ ہو گا۔ تاریخ عالم کا اسلوب بدل دیا جائیگا اس فتح کے بعد فتح پر فتح ہوتی رہیگی اور پھر ایک دن اس فتح مبین کا آجائے گا کہ جس کے بعد

ا۔ اسلام ناسخ ادیان و ملل ثابت ہو گا۔ کائنات کی ایک بڑی اکثریت اس دین کو قیامت تک اختیار کرتی چلی جائے گی۔

ب۔ قرآن کی حکومت ہوگی۔ شریعت غرا کا نفاذ ہو گا۔ روحانیت کا سرچشمے بہتے چلے جائیں گے۔

ج۔ شہنشاہیت ختم ہو جائے گی۔ اللہ کی آمریت کا دور دورہ ہو گا۔ اور اس کی عنان مہمات خلیفہ اللہ فی الارض کے ہاتھ میں اور پھر خلفائے رسالت کے ہاتھوں آئیگی۔ اور ان کی شان یہ ہوگی کہ ؎

کسریٰ کا تخت روندنے کو پاؤں کے تلے
اور بوریا کھجور کا گھر میں بچھا ہوا

مورخ آج سے اسلام کے فرمانرواؤں کو بوریہ نشین اور خاک نشین پا کر متحیر ہو گا۔ کسریٰ کا تاج آئے گا اور فرمانروائے اسلام کے قدموں میں ڈال دیا جائے گا۔

ہاں عامۃ الناس کو آرام و راحت عزت و عظمت اور فراخئ حیات اور جرأت باز پرس کے حقوق میسر آئیں گے۔ کائنات کو ایک نادر قسم کی جمہوریت سکھائی جائیگی۔ اور علت و معلول، سبب اور نتیجہ Cause and effe[ct] کی ایک طویل زنجیر نظر آئیگی اور اس کی روشنی میں شہنشاہیت، [آمری]ت، فردیت اور شدادیت ختم ہوتی چلی جائیگی اور جمہوریت و عوامیت ابھرتی [جا]ئینگی۔ حتےٰ کہ بیسویں صدی عیسوی تک جو آج گذر رہی ہے۔ یہی دور جاری اور اسی طرح سے آگے چلتا رہیگا۔ مختلف ممالک اور مختلف اقوام اس [ب]دری سے سبق لیتی جائیں گی اور کائنات اس منظر کو دیکھے گی اور اتباع [کر]نے والوں کو کہے گی کہ:۔

اٹھائے کچھ ورق لالہ نے، کچھ نرگس نے کچھ گل نے
چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری

بدر کی یہ اہمیت صرف ہماری ہی نظر میں نہیں۔ بلکہ مخالف عیسائی کیمپ کے [ل]وگ بھی جن کا حوالہ ہم اوپر دے چکے ہیں۔ اس کو حسب ذیل الفاظ میں بیان [کر]نے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

one had a clearer conception of the far reaching
portance of the battle of Badr than the Prophet
Islam himseif.

s brief engagement at the battle field of Badr had
lecide in what course the history of the world
ld run in futnre.

haps no sigle battle in the world annals has so
ly effected the desting of the human race as the
le of of Badr.

ause the Victory of Islam on that day, opened a
era in the history of civilization.

ترجمہ:- بجز پیغمبر اسلام صلعم کے اور کوئی واضح طور پر یہ نہیں جانتا
بدر کی اہمیت اور مہتم بالشان نتائج کس قدر دور رس ہیں۔ یہ مختصر غزوہ م
میدان میں اس امر کو طے کرنے والا تھا کہ تمام کائنات اور تمام دنیا کی
کس سمت اور کس طور پر رواں اور جاری ہوگی (الفضل ما شہدت بہ الا
شاید دنیا بھر کی جنگوں میں کوئی ایک جنگ بھی ایسی نہیں جو جنگ

طرح نسل انسانی کی قسمت پر نہایت عمیق طور پر اثر انداز ہوئی ہو۔ اس لئے کہ
اس روز اسلام کی فتح نے تمام عالم کی تہذیب و تمدن کے لئے ایک نئے دور
آغاز کر دیا تھا ۔

آنکس است اہل بصیرت کہ اشارت داند
نکتہ ہاست دلے محرم اسرار کجا است

ان الفاظ کی نتیجہ خیز تاریخی حقائق کا اندازہ وہی کر سکتا ہے جو فن تاریخ کا ماہر
۔ اور عظیم الشان اصلاحی کارناموں کے اصلی و حقیقی اسباب و علل کو ڈھونڈ
پیش نظر رکھ سکتا ہے ۔ اگرچہ زمانہ کے امتداد کے ساتھ اسباب و نتائج
Cause and effect کتنی ہی متعدد کڑیوں میں دور تک
ان نہ پروئے ہوئے ہوں ۔ مگر سبب اول تک نظر پہنچ جاتی ہے ۔ جس
سروسامانی کے باوجود فتح بدر واقع ہوئی ۔ اس کو واضح طور پر مذہب کی زبان
یوں سمجھئے کہ زیر عریشہ حضور صلعم کی دعائے خاص کی برکت سے بدر
مدارس کی بنیاد پراگندہ کی فتوحات کا دروازہ کھلتا چلا گیا تھا کہ فتح مکہ کا
ن بھی آیا اور پھر وہ وقت بھی آ ہی گیا کہ تمام جزیرہ العرب پر حکومت اسلامی چھا
اور پھر اس کی بنا پر حضور اقدس صلعم کی تربیت کردہ جماعت نے قیصر و کسریٰ
دیرینہ حکومت کی بنیادیں ہلا دیں ۔ ان پر فتوحات حاصل کیں اور ان کو
اسلامی مملکت میں شامل کیا یعنی بنی عباس ۔ آل عثمان فاطمین مصر اور دیگر سلاطین
فتوحات واقع ہوتی چلی گئیں ۔ اسلام اور اسلامی حکومت اسلام اور اسلامی
علمات ۔ اسلام اور اسلامی معاشرت پھیلتی چلی گئی ۔ توحید بھی پھیلی ۔ رسالت

بھی پھیلی۔ قرآن بھی پھیلا اور مسلمان بھی پھیلے۔ غرض خدائے واحد کی پرستش کا سامان ابدالاباد تک کے لئے ہوتا چلا گیا۔ اور نسلِ انسانی کی فلاح کا دروازہ کھل گیا۔ یہ بھی یاد رہے کہ اس اہم غزوہ میں صرف ۱۰ شوریدہ سر کفار قتل ہوئے تھے۔ یم باری سے کوئی طوفان برپا نہیں کیا گیا تھا۔

حضورِ اقدس نے غزوۂ بدر کے روز زیرِ عریشہ جو دعا کی تھی۔ اس کے الفاظ پر غور کیجیئے: "اے خدا اگر آج یہ چند نفوس مٹ گئے۔ تو پھر قیامت تک تو پوجا نہ جائے گا۔" اس کے ساتھ اصحابِ بدر کے فضائل مخصوصی پر نظر ڈالی جائے تو بے ساختہ یہ کہنا پڑتا ہے کہ حضور صلعم نے چشمِ نبوت سے دیکھ کر یہ فرمایا اور واقعی بدر کی اہمیت اتنی ہی تھی اور ہے۔ توحیدِ خالص کی تعلیم کی اشاعت اس فتح کے ساتھ تمام عالم میں ہوئی۔ ہم کہتے ہیں کہ حضورِ اقدس صلعم کا کونسا امر ہے جس کے نتائج دور رس اور مہتم بالشان نہیں۔ ہر امر جو حضورِ اقدس کے مقدس ہاتھ سے وقوع میں آیا۔ اس پر جب کبھی تاریخی نظر پڑتی ہے تو اس کی اہمیت ایک بھرپور درخشاں مشعل بن کر سامنے آتی ہے۔

صلح حدیبیہ

سیرتِ طیبہ کا ایک اور مشہور واقعہ صلح حدیبیہ ہے۔ صلح حدیبیہ بظاہر ایک دبی ہوئی صلح تھی۔ اور بعض صحابہ اس پر حیران بھی ہوئے مگر صلح حدیبیہ بھی سیرتِ طیبہ کا وہ اہم واقعہ ہے جس کو خود اللہ تعالےٰ نے فتح مبین سے تعبیر فرما کر واضح اور روشن کر دیا۔ نتائج کے لحاظ سے بھی فی الواقع یہ فتح مبین ہے۔ حضرتِ صدیق اکبرؓ نے اس کو اسی وقت فتح مبین سمجھا تھا۔ زیادہ عرصہ نہ گذرا کہ ہر مادی نظر نے بھی دیکھ

اور نتائج کے لحاظ سے خوب دیکھ لیا کہ یہ فتح مبین ہے۔ ہم اس واقعہ کی تفصیل نہیں بیان کرتے بلکہ اس کی اہمیت کو واضح کرتے ہیں کہ صلح حدیبیہ کا مقصد امن اور اس کی ایک دبی ہوئی شرط بھی کتنی اہم ہے کہ اگر کفار مکہ کا کوئی آدمی مسلمانوں میں آگیا تو مسلمانوں کو واپس کرنا پڑیگا اور اگر مسلمانوں کا کوئی آدمی کفار مکہ کے پاس آگیا تو وہ واپس نہ کیا جائیگا۔

کفار مکہ کا جو آدمی مسلمانوں کے اس گروہ قدسی میں آجاتا تھا اور اس کو پھر واپس کیا جاتا تھا تو وہ یہ دیکھ کر واپس جاتا تھا کہ اس کے قبل اسلام کے ساتھی اور عزیز جو مراسم جاہلیت میں مبتلا تھے۔ اس صحبت قدسی میں آکر کس بلندئ اخلاق پر فائز ہوگئے۔ ان کی عبادت ان کے رکوع وسجود۔ محنت وریاضت، سوز باطن۔ شفقت خلق الحق نے ان کو آج کیا سے کیا بنادیا۔ یہ دیکھ کر اس کے دل میں یہی جذبہ پیدا ہوتا تھا کہ یہ خود بھی صبغۃ اللہ کی رنگینیاں کیوں نہ حاصل کرے غرض یہ اثرات لے کر وہ اس جماعت سے جاتا اور اپنے عینی مشاہدات اور تاثرات قلبی کو اپنی جماعت میں پہنچاتا۔ اسی طرح مسلمانوں کی جماعت کا آدمی اگر کفار مکہ کی جماعت کے ہاتھوں پڑ جاتا تو وہ پوری جماعت بھی اس کی اس پُرکیف زندگی کو دیکھ کر متحیر ہوتی۔ اور چونکہ فضائے جنگ صلح حدیبیہ کے سبب مبدل بہ امن ہوگئی تھی تو امن کی پُرسکون حالت میں یہ سب اثر حضور اقدس صلعم کا معجزہ اور ارشاد کا بن کر کفار مکہ جیسے شدید مخالفین کے دلوں کو اس طرح مسخر کرتے چلے جاتے تھے کہ حضرت خالد اور حضرت عمرو بن عاص انہیں تاثرات سے قبول اسلام کے لئے مدینہ کی سمت میں مکہ سے

الگ الگ نکلے اور مکہ سے باہر اثناء راہ میں باہم ملے تو ایک نے دوسرے سے دریافت کیا کہ کہاں کا قصد ہے۔ ایک نے دوسرے کو یہی جواب دیا کہ "حق کو کہاں تک جھٹلایا جائے"۔

دور رس نظریں جانتی ہیں کہ صلح حدیبیہ نے جنگ و غزوات کو کچھ عرصہ کے لئے روک دیا اور راستوں میں نقل و حرکت کے لئے امن قائم ہوا تو اقوام عرب کے وہ وفود جو عرصہ سے جنگی فضاء کے سبب رُکے ہوئے تھے۔ ہر چہار سمت سے قبول اسلام کے لئے بارگاہِ نبوی میں حاضر ہونے لگے۔ یہ وفود جس ذوق وشوق اور وجدان کے ساتھ آتے تھے۔ اس ذوق وجدان اور تڑپ کے سبب اُن کو سواری سے اترنے کی تاب بھی نہ ہوتی تھی بلکہ سواریوں کے ناقوں سے کود پڑتے اور حضورِ انورﷺ کے قدمِ میمنت لزوم میں لوٹتے تھے۔ اُن کے جذبات زبانِ حال سے گویا تھے۔

اُن کے ملنے کا تماشہ دیکھنے کی چیز تھی
کیا بتاؤں میرا اُن کا سامنا کیوں کر ہوا

ان میں اکثر وہ لوگ تھے جو حضورﷺ کے اخلاق اور تعلیمات کے دلکش حالات سُن کر مائل بہ اسلام ہو چکے تھے۔ اور جن کو ہجر کی گھڑیاں شاق تھیں انبیا کی حقانیت اور معصومیت ان کی تعلیمات کو اتنا دلکش بنا دیتی ہے کہ پھر دلوں کا تلاطم اِس کے مصداق ہو جاتا ہے کہ ؎

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد
بسا کیں دولت از گفتار خیزد

شاہکار نبوت کی اہمیت کا پورا اندازہ تو مشکل ہے۔ کیونکہ اس کے ایک ایک جزو کی اہمیت اس قدر نکلتی ہے۔ یعنی یوں سمجھئے کہ موعظت کی گرما گرمی اور تواتر کے علاوہ فیض یافتگان صحبت رسالت صلعم کا کیف آنکھوں آنکھوں میں حقانیت کو اس طرح تعلیم کر جاتا تھا کہ وہ تعلیم دلوں کی تہ تک اتر جاتی تھی۔

بہت لطیف اشارے تھے چشم ساقی کے
نہ میں ہوا کبھی بیخود نہ ہوشیار ہوا

اکابر اہل اللہ اور خواجگان ہر چہار سلسلہ طریقت نے اسی نئے اس نہج اور اسلوب سے حقانیت اسلام کی تعلیمات انجام دیں اور اسی لئے وہ نتیجہ کے لحاظ سے نہایت اہتم بالشان ثابت ہوئیں۔ بعض مغرب زدہ حضرات سے گفتگو کر کے یہ پتہ چلتا رہا ہے کہ وہ ان بزرگوں کی ترکیب اور زندگی کو اپنی کم فہمی سے رہبانیت سے تعبیر کرتے ہیں اور ان کی عاقبت کا یہ مسلہ دیتے ہیں یہ نہیں سمجھتے کہ وہ اس شدت سے اتباع سنت کرتے ہیں۔ کہ کم خوردن۔ کم خفتن اور کم گفتن کی دشوار گھاٹیوں سے ستر ستر سالہ عمر کی دراز راہیں طے کرتے چلے جاتے ہیں۔ ذکر کثیر اور شدت عبادت کے ساتھ اپنے تزکیہ نفس کے بعد روحانیت کے اس افق اعلیٰ پر پہنچ کر جناب رسالتمآب سے ایک ذوقی نسبت پیدا کر لیتے ہیں اور اسلام کی حقانیت کو دلوں کی تہ تک اسی اسلوب سنت پر پہنچا دیتے ہیں اور قرن اول کا نمونہ پیش کر دیتے ہیں۔ جس سے دنیائے اسلام میں ایک تازہ اہتزاز روحانی کی رو چلنے لگتی ہے یہاں تک کہ

صلح حدیبیہ کے پُرسوز ہنگامے جو بارگاہِ نبوت میں نظر آتے ہیں حضور اقدس صلعم کے فیضان کی برکت سے اُن کی خانقاہوں میں بھی نظر آنے لگتے ہیں۔ اسی لیئے دنیا میں مسلمانوں کی تعداد اور اسلام کی شوکت ان کے مقدس زمانوں میں روزافزوں ہوتی چلی گئی تھی۔ حضرت داتا گنج بخشؒ اور خواجہ معین الدین چشتیؒ کہاں سے چلے۔ کہاں کہاں گئے اور کہاں آکر رہے اور کیا کیا نہ کیا۔ اُن کی گفتار اُن کے کردار میں اللہ کی قدرت کاملہ کی تاثیرات سما گئی تھیں (وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی) کے مناظر اُن کے زمانہ میں نظر کے سامنے آگئے تھے۔ اُن کو جناب رسالت مآب سے ایسی نسبت صحیحہ تامہ۔ نافعہ حاصل تھی کہ اُن کو ہر آن اور ہر لحظہ فیوض رسالت سے بہرہ مندی حاصل تھی۔ اور وہ اس منزلت پر فائز نظر آتے تھے جسے حضرت مولانا روم یوں فرماتے ہیں۔ کہ

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود   گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

ان قوائے باطنی کو مجاہدات شاقہ سے قوی تر کرکے اپنی ساری روحانی قوتوں کو جناب رسالت مآب صلعم کی امت اور دین مبین کی خدمت میں صرف کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ ہر شاہ و گدا نے ان کی دہلیز پر حاضریاں دیں اور جبہ سائی کی۔

فتح مکہ غرض اب ہم اپنے عنوان پر آجاتے ہیں اور حضور اقدس صلعم کی سیرۃ طیبہ کا ایک اور شاہ کار یعنی فتح مکہ کی اہمیت عرض کرتے ہیں۔

کفار مکہ کی طرف سے آخر کار صلح حدیبیہ کی شرائط ٹوٹ گئیں اور اسلام کی روزافزوں ترقی کی بنا پر ان کی ریشہ دوانیاں معاہدات کے خلاف شروع ہو گئیں۔

تو پھر حضور اقدس صلعم دس ہزار صحابہ کی جمعیت کے ساتھ مکہ کی طرف روانہ ہوئے مکہ کے قریب پہنچ کر قیام فرمایا۔ ابوسفیان لشکر اسلامی کا اندازہ کرنے نکلا تو حضرت عباس سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ آپ اُسے حضور اقدس صلعم کی خدمت میں لے آئے۔

جنگِ اُحد کی گرما گرمی میں احد پہاڑ پر چڑھ کر لات وہبل کی سجے پکارنے والا انسان اب نعرۂ اللہ اکبر کی تعلیم کے لئے دستِ طلب پھیلائے ہوئے ہے اور ایمان کی دولت سے بہرہ مند ہو رہا ہے رحمتِ عالم نے دولتِ ایمان کے ساتھ یہ سرفرازی بھی عطا فرمائی کہ جو ابوسفیان کے گھر میں آجائے گا اس کے لئے پناہ بھی ہے۔ امن بھی ہے۔ اب صبح ہوتی ہے لشکرِ اسلام اپنی بھرپور روحانی شوکتوں کے ساتھ مکہ کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اور اب مکہ فتح ہونے والا ہے ۔ اور اہلِ مکہ پر اسلام کا پورا تسلط ہونے والا ہے کون اہلِ مکہ ؟

وہ اہلِ مکہ جنھوں نے تیرہ سال لگاتار مسلمانوں کو اذیتیں دی تھیں۔ جن کی اذیت کی مثالیں آسمان کے نیچے مل نہیں سکتیں۔ بلاکشانِ اسلام کے سینے ان کے آزار کے لئے تختۂ مشق بنے ہوئے تھے۔ سلگتے ہوئے اور دہکتے ہوئے سرخ انگاروں پر اُن کو لٹایا جا چکا تھا۔ اُن کے پیروں میں رسیاں باندھ کر اُن کو سربازار گھسیٹا جا چکا تھا۔ گرم تپتے ہوئے ریت پر لٹا کر اُن کے سینوں پر بھاری بھاری پتھر رکھے جا چکے تھے۔ گرم اور سرخ لوہے سے ان کو داغا جا چکا تھا۔ اور یہ سب کچھ اسی درد مندِ عالم کی آنکھوں کے سامنے ہو رہا تھا۔ خود آپ کے وجود ذیجود کو ہر قسم کی اذیتیں دی جا چکی تھیں۔

طائف کی زخم برداریاں بھی ہو چکی تھیں۔ اس تمام جماعت قدسی

سے مقاطعہ کیا جا چکا تھا شعب ابی طالب کی محصوری ہو چکی تھی اور اس سہ سالہ محصوری میں بچہ بچہ تشنگی اور گرسنگی کے سخت ترین آزار اٹھا چکا تھا عرصہ کہ اس تمام جماعت پر عرصۂ حیات اس طرح تنگ کیا جا چکا تھا کہ انہیں اپنے وطن عزیز کو خیرباد کہنا پڑا تھا اور وہ لمحۂ نازک بھی آ ہی گیا تھا کہ حضور اقدس صلعم کو (معاذ اللہ) شہید کرنے کے منصوبہ سے قریشی سورما تلواریں سونت کر کاشانۂ نبوت کو گھیر کر کھڑے ہو گئے تھے اور قابو نہ پانے پر راہیں بند کی گئیں تھیں۔ ناکے بند کئے گئے تھے۔ سوار دوڑائے گئے تھے اور انعامات گراں بہا کے اشتہارات دیئے گئے تھے۔ یہ ہے کفار مکہ کے مظالم کی فہرست۔

ان میں سے ایک ایک جرم اس قابل تھا کہ اس کی پاداشت میں اُن اہل مکہ کو اُس زمانہ کے قانون عام اور رواجِ عام کے ماتحت مع زن و فرزند کے قتل کیا جائے۔ اُن کے مکانات اور باغات کو آگ لگائی جائے مگر کیا ایسا ہو گا؟ کیا اُن کے زن و فرزند اور یہ خود مسلمانوں کے تیروں سے چھلنی ہو کر بسمل و نیم بسمل کی شکل میں کراہتے ہوئے اور فرشِ زمین پر لوٹتے ہوئے نظر آئینگے؟ کیا اُن کو انتقام میں سلگتے ہوئے انگاروں پہ لٹایا جائے گا اور کیا واقعی اُن کے مکانات اور باغات میں آگ لگا دی جائیگی؟

نہیں ایسا ہرگز نہ ہو گا۔ رحمۃ للعالمین کا رحم و کرم جوش میں آئے گا۔ ان پر رحم و کرم کی بھرپور بارش ہو گی۔ دیکھو رحمتِ عالم صلعم ان سے کیا سوال فرما رہے ہیں اور یہ کیا جواب دے رہے ہیں۔ اور اس کے بعد کیا حکم ہو رہا ہے۔ حضور کا سوال یہ ہے۔ آیا تم کو کچھ معلوم ہے؟ میں تم سے کیا معاملہ کرنے

والا ہوں؟ مزاج شناسی کی بنا پر کفارِ مکہ جواب دیتے ہیں۔ آپ شریف بھائی ہیں اور شریف برادرزادہ ہیں یعنی اَخٌ کَرِیمٌ وَابْنُ اَخٍ کَرِیم۔ ارشاد ہوتا ہے۔ تم پر کچھ الزام نہیں۔ جاؤ تم سب آزاد ہو۔ بجنسہ الفاظ یہ ہیں لَاتَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْم۔ اِذْھَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ

واقعات کے لحاظ سے اور نتائج کے لحاظ سے کیا ہوا۔ کیا صرف مکہ فتح ہوا؟ نہیں سید الانبیاء کے کسی ایک مقدس اقدام کا کبھی ایک نتیجہ نہیں نکلا۔ بلکہ ہزارہا نتائج برآمد ہوتے چلے گئے۔ حل امور اور کامیابیاں اور کامرانیاں ایک سیلاب کی شکل میں امنڈ آئیں۔ یعنی یہ کہ مکہ بھی فتح ہوا اور پتھر جیسے لاکھوں دل بھی فتح ہو گئے۔ انسانیت کی فتح ہوئی۔ شرافت کی فتح ہوئی اور حلم وعفو کی وہ فقید المثال فتوحات حاصل ہوتی چلی گئیں کہ جن کی خیر جاریہ کا یہ عالم ہوا کہ اُمت کے فاتح اور فرمانرواؤں نے اپنے اپنے وقتوں میں اسی نظریہ کی بنا پر خلق اللہ کے ساتھ اسی قسم کے حسنِ سلوک کئے اور اسی قسم کے نتائج مرتب ہوئے۔ خلافت راشدہ کی مثالیں بہت بیان ہوتی رہتی ہیں۔ اور اس لیے شاید امت کے بعض افراد یہ سمجھتے ہوں کہ اس قسم کی تعلیماتِ نبوی کو آئندہ فراموش کر دیا گیا ہوگا۔ تعلیماتِ نبوی صفحۂ ہستی سے کبھی محو نہ ہوئیں اور نہ ہوں گی۔ ایسے سعادت کیش پیدا ہوتے رہے جنہوں نے ان تعلیمات کو ہمیشہ پیش نظر رکھا۔ آپ سیکڑوں برس کی تاریخ کو عبور کر کے بنی عباس کے انحطاط کے دور پر نظر ڈالیں تو آپ کو متعدد ایسے فرماں روا اور فاتح نظر آئیں گے جن کی شوکت کی کوئی حد نہ تھی۔ مثال کے طور پر سلطان زنگی اور سلطان صلاح الدین

کو یاد کیجئے۔ اس دور میں سلطان صلاح الدین کی فتح بیت المقدس پر نظر ڈالیئے تو معلوم ہوگا کہ اس سلطان کے فتح بیت المقدس کے اقبال مند لمحہ میں اس کی آنکھوں کے سامنے سیدالانبیاء کی فتح مکہ کا نمونہ اور اسوہ موجود تھا اس واقعہ کی قدرے تفصیل دلچسپ اور مفید ثابت ہوگی۔

سب سے پہلے بیت المقدس حضرت عمرؓ کے زمانہ میں فتح ہوا۔ اس کے بعد جنگ صلیبی Crusades کے دوران میں مسلمانوں سے عیسائیوں کے ہاتھ میں چلا گیا۔ اس وقت مسلمانوں کا خون عیسائی سورماؤں نے اس شدت سے بہایا تھا کہ جسٹس امیر علی نے اپنی تاریخ اسلام A short History of the Seracana میں اس کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے کہ مسلمانوں کا خون مسجد اقصیٰ کے گرد گھوڑوں کے گھٹنوں تک تھا اصل الفاظ یہ ہیں۔ human blood was kneedeep سلطان صلاح الدین نے اپنی فتح کے وقت بیت المقدس کے عیسائیوں سے کہا کہ مجھے مسلمانوں کی وہ خون ریزی یاد ہے جو عیسائی اقتدار کے ہاتھ سے ہوئی تھی مگر میں اس کے انتقام میں تمہارے خون کو اس طرح نہیں بہاتا۔ شہر کے تقدس کا لحاظ کرتا ہوں۔ تمہاری جانوں پر رحم کھاتا ہوں اور صرف یہ حکم دیتا ہوں کہ تم آٹھ دن میں یہ شہر خالی کردو۔ گویا حضور اقدس صلعم کے اسوہ حسنہ نے جس طرح فتح مکہ پر لاکھوں نفوس کے ساتھ جان بخشی کا سلوک کیا اسی اسوۂ حسنہ کے صدقہ آج پھر لاکھوں عیسائیوں کی جان بخشی ہوئی۔ دوررس نگاہیں اور فن تاریخ کے ماہرین کی آنکھیں اسباب و نتائج Cause and effect کی

درمیانی درازیوں کے باوجود تمام اُمور کو اُن کے تمام نتائج کو دیکھتی چلی جاتی ہیں اور ہر وقت وہ واقعات مرتبط ہو کر زبان حال سے ان کو بتا دیتے ہیں جو شاہ کار نبوت کے صدقہ اس کائنات میں نظر آتے ہیں ورنہ ایام جاہلیت اور middle ages میں جملہ محاسن جو انبیاءؑ کے ذریعہ عمل کے لئے ایک اچھی مثال بنے تھے صرف نسیان ہو کر عملی دنیا سے کلیتاً محو ہو چکے تھے۔ اب ہم جناب رسالت مآب صلعم کی سیرت طیبہ کا ایک اور واقعہ یاد دلاتے ہیں۔

حجتہ الوداع

محسن عالم صلعم نے سنہ ۱۰ھ میں حج الوداع کیا۔ اس میں احکام حج کی عملی تعلیم بھی مقصود تھی اور امّت سے اجتماعی طور پر ایک آخری ملاقات بھی مقصود تھی۔ کچھ خصوصی احکامات اور ارشادات بھی امّت تک پہنچانے تھے۔ یاد کیجئے وہ بھی ایک وقت تھا کہ اعلان نبوت کے بعد حضور کے پہلو میں صرف یہ چار نفوس قدسی تھے۔

اہل خانہ میں (۱) ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ (۲) حضرت علی مرتضیٰ (۳) احباب خاص میں حضرت ابوبکر صدیق اور غلاموں میں (۴) حضرت زید۔ جن آنکھوں کو یہ منظر یاد تھا آج اُن آنکھوں کے سامنے یہ کیسا حیرت انگیز منظر ہوگا کہ جان نثاران نبوت کا ایک لاکھ سے زیادہ کا اجتماع سامنے حاضر ہے تمام انبیاء کے کارنامے یہی ہیں کہ بہزار دقت ایک مختصر تعداد مردان حق کی بہم پہنچی مگر سیدالانبیا کا شاہ کار یہ ہے کہ ایسی کثیر تعداد آج بارگاہ نبوی میں حاضر ہے۔ آخر یہ کون لوگ ہیں؟ اس جماعت کی خصوصیات کیا ہیں ——؟ یہ سلطان الانبیاء اور افضل الانبیاء کی امت ہے اور خیر الامم ہے۔ خود

اللہ تعالےٰ نے اس کا تعارف ان شاندار الفاظ میں فرمایا ہے۔

کُنتم خیر اُمّۃٍ اُخرجت للنّاس تأمرون بالمعروف وتنھون عن المنکر۔

دین مبین جو اس خیر الامم کو دیا گیا ہے اس کی تکمیل کی شان بھی اس طرح بیان کردی گئی ہے۔

اَلیوم اکملتُ لکُم دینکم وَاتممتُ علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔

قومِ عرب کا امام الأمم اور خیر الامم بن کر اصلاح عالم کیلئے کھڑا ہونا۔

دبستان نبوت سے فیضیاب ہونے والے دو گروہ قدسی ہیں۔ (۱) ایک خود خاندانِ نبوت اور اہل بیتِ نبوت (۲) دوسرے اصحابِ نبوت اور جان نثاران نبوت۔

خود حضور سید الانبیاء نے اس پہلے گروہ کا تعارف اُمت سے ان مہتمم بالشان الفاظ میں کرایا ہے۔

مثلُ اھلبیتی کسفینۃِ نوح من رکبھا نجیٰ ومن تخلّفَ عنھا ھلکَ۔ یعنی میرے اہل بیت کی مثال کشتی نوح کی ہے۔ جس نے اس میں پناہ لی وہ نجات پا گیا اور جس نے اس سے روگردانی کی وہ ہلاک ہوا۔

اس گروہِ قدسی کے سرخیل یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا تعارف خود حجۃ الوداع کے بعد خم غدیر کے خطبہ میں اس جماعت کثیر کے سامنے برسر منبر کرا

گیا تھا۔ حضور کے الفاظ یہ ہیں من کنت مولاہ فعلی مولاہ۔ اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ۔ یعنی میں جس کا مولا ہوں۔ علی بھی اس کے مولا ہیں۔ اے اللہ جو ان سے محبت رکھے تو بھی ان سے محبت رکھیو۔ جو اس سے دشمنی رکھے تو بھی اس سے دشمنی رکھیو۔ دوسرے موقعہ پر اس دوسرے گروہ کا تعارف جن اہم الفاظ میں فرمایا گیا۔ وہ یہ ہیں:

اصحابی کالنجوم۔ بایھم اقتدیتم اھتدیتم

ارشادات مندرجہ بالا کی روشنی میں اور تاریخ کی زبان اور محاورہ میں ان ہر دو گروہ کا تعارف ان الفاظ میں کرایا جا سکتا ہے

ا۔ یہ وہ جماعت ہے جس میں بڑے بڑے ہادیان برحق موجود ہیں جنھوں نے دبستان نبوت میں آج یہ حیثیت حاصل کر لی کہ وہ مثل انبیاء بنی اسرائیل کے ہیں۔ جیسا کہ حضور کا ارشاد ہے۔

علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل۔ میری امت کے علماء انبیا بنی اسرائیل کی مثل ہیں

خود باب مدینۃ العلم ان میں موجود ہیں اور دیگر اصحاب مہاجرین وانصار بھی ہیں۔

ب۔ یہ وہ جماعت ہے جس میں بڑے بڑے مدبرین Administrators موجود ہیں۔ حضرت صدیق اکبرؓ۔ فاروق اعظمؓ اور دیگر اصحاب حل وعقد ملاحظہ کیجئے

ج۔ یہ وہ جماعت ہے کہ جس میں بڑے بڑے فاتح موجود ہیں۔ فاتح خیبر

قیصر و کسریٰ کی مملکتوں کے فتح کرنے والے۔ فاتح مصر، فاتح ایران۔ فاتح شام یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت سعد وقاص رضؓ۔ حضرت عمر عاص رضؓ، حضرت ابو عبیدہ رضؓ۔ حضرت خالد رضؓ اور بہت سے ان اوصاف کے حضرات ان میں موجود ہیں۔

د۔ یہ وہ جماعت ہے جس کے کم سن اپنے اپنے وقت میں ایثار و قربانی کے وہ مظاہرے کرینگے۔ جو خود اپنی مثال آپ ہوں گے۔

س۔ خاندان نبوت میں جناب امام حسنؓ جیسے صاحب ایثار بھی ہیں۔ جو اتحاد امت کے لئے اپنی وہ حاصل شدہ مملکت جس میں خلافت راشدہ کی تمام فتوحات شامل ہو کر دنیائے قدیم کا نصف بالنصف سے زائد حصہ بن جاتا ہے۔ حضرت امیر معاویہ کے سپرد کر دینگے۔ آنکھیں مخبر صادق صلعم کی اس پیشنگوئی کو پورا ہوتے ہوئے دیکھ لیں گی۔ جو کہ حضرت امام حسنؑ کے بچپن میں اُن کی شان میں برسر منبر ان الفاظ میں فرمائی گئی تھی۔

کہ یہ میرا بیٹا سید ہے اللہ تعالےٰ اس کے ہاتھ سے مسلمانوں کے دو گروہ میں مصالحت کرا دیگا۔ یہ ارشاد اس اہتمام سے ہو رہا تھا کہ حضور خود ایک مرتبہ حضرت امام حسنؓ کی طرف دیکھتے تھے۔ اور پھر مجمع اہل اسلام کی طرف دیکھتے تھے۔

ص۔ اس جماعت میں آغوش رسالت کے پرورش کردہ اور تربیت یافتہ جناب امام حسینؓ بھی ہیں جو اپنی فقید المثال قربانیوں سے امت اور دین کو ایک فاسق و فاجر اور سرکش فرماں روا (یزید) کی بدکرداریوں سے

کے اور اس کارنامہ کی یہ اہمیت ہو گی کہ اس کے بعد کوئی ظالم دین خالص
ور دین حنیف کے اصول میں آئندہ پھر کسی اصول رخنہ اور corruption
خیال تک نہ کر سکیگا۔ اپنے اپنے وقت میں اس شاہ کار کی بلند نظری کو
ایک سراہیگا۔ حتےٰ کہ حضور خواجہ معین الدین چشتیؒ بھی اس شاہ کار کی
ہم آہنگی اور اہمیت دینی کو ان الفاظ میں ظاہر فرمائینگے۔

شاہ ہست حسینؑ ۔ بادشاہ ہست حسینؑ
دین است حسین و دین پناہ ہست حسینؑ
سر داد نہ داد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الہ ہست حسینؑ

اس کے علاوہ اس جماعت کی اس صلاحیت پر بھی نظر ڈالنی چاہئے کہ
فرد اور جس خاندان اور جس گروہ میں دیگر تمام اوصاف کے ساتھ اور جو
وصی صلاحیت تھی وہ اس قدر استوار تھی کہ نسلاً بعد نسل وہ صلاحیتیں
رار ہیں جس کی بناء پر یہ معلوم ہوتا تھا۔ کہ گویا یہ صلاحیتیں خون میں اس
رح سما گئیں ہیں، کہ ورثہ اور ترکہ کے طور پر مابعد کی نسلوں میں ودیعت ہوتی
جارہی ہیں۔

اہل بیت نبوت کا صلاح و تقویٰ دوسو اور تین سو برس
بھی دیکھا تو ویسا ہی تھا۔ امام الحدیث علامہ ابن حجر کی صواعق محرقہ
دیگر کتب میں ان حضرات کے صلاح و تقویٰ اور علم و فضل، عرفان
ت کے پُر انوار حالات دیکھے جاسکتے ہیں۔ چھ سات سو برس بعد

کی مثال میں حضور خواجہ معین الدین چشتی اور حضور غوث اعظم کے حالات پر نظر کیجئے۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ ان سید زادوں کی خصوصیت قرن اول کی خصوصیات جیسی ہیں۔ صحابی اور صحابی زادوں کے خاندانوں پر نظر ڈالیں تو سینکڑوں سال تک ان کے اجداد کی خصوصیات ان میں منتقل ہوتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ فاروق اعظم کے خاندان پر سات سو برس بعد پھر ایک نظر ڈالیئے تو حضرت بابا فرید گنج شکر جیسی بلند ہستیاں عالم کو اپنے فیوض سے مالا مال کرتی نظر آتی ہیں۔ اس کے علاوہ حضرت صدیق اکبرؓ کے خاندان پر نظر ڈالیئے تو حضرت مولانا رومؒ جیسی بلند ہستیاں نظر آتی ہیں۔ اس کے علاوہ حصولِ فضل و کمال کے جذبات تحفظ دین حنیف کے جذبات سرفروشیوں کی لاتعداد مثالیں امت کے بیشمار خاندان اور افراد میں نظر آتی ہیں۔ امت فاتحین کی یادگار میں فاتحین پیدا ہوتے چلے گئے۔ اہل علم کی یادگار میں اہل علم اہل عرفان کی یادگار میں اہل عرفان پیدا ہوئے۔ بنی عباس، آل عثمان (ترک) دیگر فرماں رواؤں کے خاندانوں کے دور میں ایسی مثالیں جس کثرت سے ملتی ہیں۔ اس سے اس خیرالامم کی ذہنی قلبی اور روحانی زرخیزیوں کا پتہ چلتا ہے۔ یہ ہے شاہکار نبوت کا پہلو۔

سیدالانبیا کے فیض تلقین سے قوم عرب کی قلب ماہیت

قوم عرب کا ذہنی اور عملی ارتقا اور اس کی شدت رفتار

ہم اپنے ناظرین سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ سیدالانبیاء کے اصلاحی کارنامے پر ایک گہری نظر ڈالیں اور امور اصلاحی کا تجزیہ کر کے دیکھیں اس قوم کی حضور کی بعثت سے پیشتر کیا زندگی تھی اور تعلیمات نبوی کے اثر کس شاندار طریقہ سے قلب ماہیت ہوئی اس کے لئے حسب ذیل شعبوں میں کفار مکہ کی زندگی کا اہل مدینہ کی زندگی سے مقابلہ کریں جن میں مہاجرین و انصار شامل ہیں، زندگی کا باہم مقابلہ کریں اور دیکھیں کہ کس طرح حضور صلعم کے فیضان تلقین سے ایک حیرت انگیز قلب ماہیت ہوا۔

۱۔ انفرادی زندگی۔ یعنی مکہ میں انفرادی زندگی کیا تھی اور مدینہ میں اس کا رنگ کیا تھا اور شہریت citizenship کے آداب کیا تھے۔

۲۔ خانگی زندگی اور قومی زندگی۔ یعنی مکہ میں خانگی زندگی کیا تھی اور مدینہ میں تعلیمات محمدی کے فیضان سے اس کی کیا صورت ہو گئی۔ اور پھر یہ خانگی زندگی وسیع ہو کر قومی زندگی بن گئی۔ اجتماعی زندگی جتنی منتشر تھی اتنی ہی متحد ہو گئی اور تمام قوم ایک کنبہ بن گئی (مواخات مدینہ)

۳۔ سیاسی زندگی۔ یعنی سیاسی زندگی کے نادر اصول۔

۴۔ مذہبی زندگی۔ یعنی مذہبی زندگی کی جامعیت کی شان۔
۵۔ نسوانی زندگی۔ یعنی اس پسماندہ صنف کے حقوق کا قیام۔
۶۔ صغیر السن۔ فرزندانِ اُمت (یعنی بچوں) کی زندگی اور ان کی سرگرمیاں۔
۷۔ غلاموں کی زندگی اور اس کی سربلندی
۸۔ علمی زندگی اور اس کی ضیا پاشیاں۔
۹۔ عسکری زندگی اور اس کا نصب العین
۱۰۔ عام نظریئے اور اصول میں تغیر و تبدل۔
۱۱۔ تکمیلِ شرع۔ کار پر اللہ تعالےٰ کی مہر تصدیق۔

انفرادی زندگی

سرورِ کائنات کی بعثت سے پیشتر اہلِ مکہ کی انفرادی [illegible] اس درجہ بے لگام تھی کہ اس کے ہاتھ سے کسی عزیز و اقربا کا ناموس بھی محفوظ نہ تھا۔ ملک کا قومی شاعر بڑے انتخار سے دیکھا جاتا تھا مگر ایسے ہی ایک نامور شاعر کے ہاتھ سے اس کی بہن کی عزت دری ہوتی ہے اور وہ اس واقعہ کا اپنے قصائد میں فخر کر ذکر کرتا ہے

برخلاف اس کے مدینہ کی زندگی میں ہم دیکھتے ہیں کہ یہودیوں [illegible] میں ایک سبزی فروش لڑکی آتی ہے۔ اور اپنی سبزی بیچنے کے لئے [illegible] میں بیٹھ جاتی ہے۔ یہودی سرمایہ دار اور دوکاندار اس سے مخش کلامی کرتے ہیں۔ اور وہ لڑکی چیں بجبیں ہوتی ہے۔ اسی اثنا میں ایک [illegible]

اس طرف آ نکلتے ہیں۔ ان یہودیوں کو اس فعل سے منع کرتے ہیں۔ یہ یہودی ان کا بھی مذاق اڑاتے ہیں۔ تلواریں نیام سے نکلتی ہیں۔ صحابی رسول اسی لڑکی کے ناموس کی حفاظت میں زخم کھا کر شہید ہو جاتے ہیں۔ یہی پہلا خون ہے۔ جو مدینہ میں بہایا گیا اور اس لئے بہایا گیا۔ کہ انہوں نے بستانِ رسالت سے آداب شہریت یعنی Citizenship اس ذمہ داری سے سیکھے تھے کہ اگرچہ یہ لڑکی ان کے لئے بالکل غیر اور اجنبی ہے۔ مگر پھر بھی وہ اس کی عزت اپنی جان دے کر بچاتے ہیں۔ اور اپنے شہر میں ایسا واقعہ شنیعہ نہیں ہونے دیتے جو انسانی سوسائٹی کے اخلاق پر نہایت داغ ہو۔ یہ ہیں۔ انفرادی زندگی کی ذمہ داریاں اور آداب شہریت جو اس قوم نے سیکھے۔ جو کہ تعلیمات نبوی سے پیشتر اس کا تصور تک نہیں کر سکتے تھے۔

خانگی زندگی اور قومی زندگی

خانگی زندگی باوجود اپنی فطری الفتوں کے اس قدر بے حس ہو چکی تھی۔ کہ باپ بیٹوں اور بہن بھائیوں کے درمیان نہ حرمت باقی تھی نہ الفت۔ لڑکی خاص طور پر ماں باپ کے لئے باعث ننگ تھی۔ یہاں تک کہ ماں باپ کی آغوش میں اولاد کے لئے امن باقی نہ تھا۔ ماں کے تقاضے پر باپ نوزائیدہ دختر کو زندہ درگور کر آتا تھا۔ چنانچہ ایک صحابی اپنا قبل از اسلام واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنی ایک لڑکی کو زندہ درگور کرنے کے لئے جنگل میں لے گیا۔ میں نے اُسے ایک گڑھے میں ڈالا میں اوپر سے مٹی کے

ڈستے ڈالتا جاتا تھا۔ اور وہ لڑکی ابا ابا کہہ کر پکارتی تھی۔ اس مسئلہ میں اب اس
قوم کی اصلاحی شکل دیکھیں۔ حضور کا ارشاد ہے جو دو لڑکیوں کو پال کر جوان
کر دے گا۔ اور میں جنت میں اس طرح قریب ہونگے۔ جیسے یہ دو
انگلیاں (یہ فرما کر حضور نے انگوٹھے کے پاس کی دو انگلیاں مانند کیں)
اس تعلیم کا یہ اثر تھا۔ کہ مدنی زندگی میں یتیم بچیوں کی پرورش کے لئے متعدد
لوگ آمادہ ہو جاتے تھے۔ اور بڑی دقت سے یہ فیصلہ کرنا پڑتا تھا
کہ اس بچہ کے پرورش کرنے کا حق سب سے زیادہ کس کو ہے۔ جس کو
قرابت کے لحاظ سے اس کا سب سے زیادہ حق ہوتا۔ اس کو یہ سعادت
عطا کر دی جاتی۔

اولاد کو ماں باپ کی کیا حرمت ملحوظ رکھنی چاہیئے تھی۔ قبل اس
مکی زندگی میں یہ حالت تھی کہ باپ کی کثیر التعداد عورتوں کو صرف حقیقی ماں
کو چھوڑ کر بیٹا خانہ انداز کر لیتا تھا۔ ماں باپ کے آداب و حقوق جو حضور
نے سکھائے۔ اس کے زیر اثر ایسے واقعات کثرت سے ملتے ہیں
کہ ایک صاحب نے اپنی ضعیف والدہ کی تمام خدمات کو برسوں بڑے
ادب و احترام سے ادا کرنے پر حضور سے پوچھا کہ کیا میں ماں کے حقوق
سے سبکدوش ہوگیا تو حضور نے فرمایا کہ اس کو تیری پیدائش کے وقت درد
کے جو جھٹکے لگے تھے۔ اور اس نے ایک جھٹکے کی جو تکلیف برداشت
کی تھی۔ ابھی اس کا بدلہ اور عوض بھی ادا نہ ہوا۔ قرآن میں متعدد جگہ ان
کی نگہداشت کی بہتم بالشان الفاظ میں تاکیدیں ہیں۔ ان تعلیمات

ان خدمات کو ہر ایک مرد مومن کے لئے ایک دل دوز اور دلکش ذلیفہ بنا دیا۔
یا یہی نہیں بلکہ ماں باپ کو جنت کے انعامات سے بہرہ اندوز کرنے
کے لئے اسلام کی تلقین کی جاتی تھی۔ ایک دفعہ حضرت ابو ہریرہ بارگاہ رسالت
میں بڑے تاثرات کے ساتھ حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ میں اپنی
ماں کو اسلام کی تلقین کرتا ہوں اور وہ مجھے سرزنش کرتی ہیں حضور دعا
فرمائیں کہ وہ اسلام قبول کر لیں۔ حضور نے دعا کی۔ حضرت ابوہریرہ گھر
گئے۔ ابھی دروازہ پر پہنچے تھے۔ کہ ماں نے کہا ٹھیرو میں غسل سے
فارغ ہو جاؤں جب وہ غسل سے فارغ ہوئیں اور حضرت ابوہریرہ مکان
میں داخل ہوئے تو ان کو قبول اسلام کے لئے مستعد پایا۔ اسلام کی
تلقین کی اور حضور کو یہ مژدہ سنایا۔

اسلام سے قبل بہن بھائی کے حقوق باہمی اس درجہ نظر انداز تھے کہ ایک شخص شکار
کھاتا ہے۔ رات کو شکار مکان پر لاکر ٹانک دیتا ہے۔ صبح کو حاجتمند
بہن اس میں سے اپنا حصہ لے جاتی ہے ایک دن بھائی کو اس بات
سے اتنی ناگواری ہوئی کہ شکار کے تھیلہ میں کالا ناگ بند کر لایا۔ اور تھیلا
حسب معمول ٹانک دیا۔ صبح حسب عادت بہن نے آکر تھیلہ میں ہاتھ
ڈالا۔ تو اس ناگ نے اس کو ڈس لیا۔ بھائی بہن کے حقوق سے اس طرح
فراموش ہوا۔ برعکس اس کے تعلیمات نبوی نے اس درجہ قلب ماہیت
کی اہل مکہ حضور کی ہمرکابی میں مدینہ پہنچے تو حضور نے اہل مدینہ کے ساتھ ان
کا بند مواخات اور بھائی چارہ قائم کرا دیا۔ درمیان میں حسب نسب کی کوئی

قرابت نہیں تھی۔ مگر پھر بھی یہ مواخات اور بھائی چارہ ہر ایک انصاری کو اتنا عزیز تھا کہ ہر ایک نے اپنے مہاجر بھائی کو گھر سے جا کر اثاث البیت کے برابر کے دو حصے کئے اور ایک اپنے مہاجر بھائی کی نذر کیا۔

مذکورالصدر واقعہ سے واضح ہوتا ہے۔ کہ خانگی زندگی میں حقیقی بھائی کو حقیقی بھائی کو جو الفت ہونی چاہیئے وہ الفت نہ صرف گھر میں پھیلی بلکہ تمام قوم حقیقی برادری کے اثرات چھا گئے۔ مہاجرین و انصار کا استوار رابطہ باہم اس پر کافی روشنی ڈالتا ہے۔ اور پھر مسلمان جس جس ملک میں گئے اس اخوت کو پھیلا آئے۔ حتٰی کہ تخت و تاج کے مسائل طے کرنے میں بھی یہی اخوت ملحوظ تھی۔ خود ہندوستان میں غلاموں کو تخت بھی دیا گیا اور تاج بھی۔

سیاسی زندگی

تاریخ عالم میں سیاسی زندگی کو پرکھنے کے لئے تین چیزیں سب سے زیادہ نمایاں ہیں۔

فرماں روا۔ بیت المال میں فرماں روا کا حصہ۔ قوم اور اس کے حقوق حریت اور دیگر حقوق۔

اسلام میں فرماں روا کی حیثیت

اسلام سے پیشتر فرماں روا کا دماغ تکبر۔ نخوت اور غرور کا سرچشمہ تھا۔ سلاطین اس سے مطمئن نہ تھے کہ ان کو بادشاہ یا شہنشاہ کہہ کر پکارا جائے۔ بلکہ وہ خدائی کے دعوے کرنے لگتے تھے۔ ربانیت کے مدعی بن بیٹھتے تھے۔ فراعنہ مصر کی مثالیں عام میں مشہور رہیں۔ حضرت موسٰیؑ کو ایسے ہی ایک فرماں روا کی طرف

گیا تھا۔ قرآن میں کس کا ذکر آتا ہے مدینہ میں بعض سفراء کرا اپنی گفتگو میں کہتے تھے کہ "امرنی ربی" مجھ کو میرے رب نے یہ حکم دیا ہے۔ گویا اپنے بادشاہ کو رب کے نام سے پکارتے تھے۔ بیت المال جس کو آج کی اصطلاح میں ایک خزانہ سرکاری کہا جا سکتا ہے۔ فرمانرواؤں کی ذوقیات اور آلام و راحت پہ بیدریغ خرچ ہوتا تھا۔ فرماں رواؤں کو اس سے بحث نہ تھی کہ عامۃ الناس پر کیا گزرتی ہے۔ مدینہ طیبہ میں حضورؐ کی عملی زندگی اس بارہ میں ایک عملی سبق دے رہی تھی۔ حضرت عمرؓ نے ایک دفعہ حضورؐ کو کاشانہ نبوت میں دیکھا کہ حضور ایک چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں۔ اور اس چٹائی کے نشانات حضور کی کمر مبارک پر نمایاں ہیں۔ حضرت عمرؓ آب دیدہ ہو گئے۔ حضورؐ نے دریافت فرمایا۔ عمر کس چیز نے تمہیں رلایا۔ عرض کیا۔ کہ یارسول اللہ دنیا کے بادشاہ اور شہنشاہ کس آرام و راحت میں ہیں اور حضور تو شہنشاہ کونین ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ عمر کیا تم اس بات سے خوش نہیں کہ ہمارے لئے آخرت کے انعامات ہیں۔ حضرت عمرؓ نے حجرۂ نبوی میں کچھ اس سے بھی زیادہ دیکھا اور وہ یہ تھا کہ اثاث البیت کے لحاظ سے حجرہ کی کل کائنات یہ تھی کہ ایک طرف مٹھی بھر جو رکھے ہوئے ہیں۔ ایک طرف ایک کیل پر ایک کھال لٹک رہی ہے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ ہمارے گھر میں دو دو مہینے چولہا نہیں سلگتا تھا۔ حضور کی رحلت کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ نے صحابہ کو ایک کمبل اور ایک تہ بند دکھایا جس میں متعدد پیوند تھے اور فرمایا مسلمانوں تمہارے رسولؐ نے ان دو کپڑوں

میں رحلت فرمائی ہے۔ یہ ہے وہ نمونہ جو شاہ عرب نے اپنی عملی زندگی سے اپنے بعد کے جانشینوں اور فرماں رواؤں کو سکھایا اس کا یہ اثر تھا کہ حضرت صدیق اکبر جب خلیفہ مقرر ہوئے۔ تو کپڑوں کی ایک گٹھڑی لے کر بازار کی طرف چلے۔ حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف نے پوچھا۔ آپ کہاں جاتے ہیں۔ خلیفہ رسول اللہؐ نے جواب دیا کہ آخر بال بچوں کے بھی کچھ حقوق ہیں۔ ان کے لئے بازار میں جا کر تھوڑی دیر کچھ خرید و فروخت کر کے معاش حاصل کرنی ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے فرمایا کہ خلافت کے امور آپ کو اتنی مہلت کب دینگے۔ آیئے ہم آپ کا بیت المال سے کچھ روزینہ مقرر کردیں۔

بیت المال میں فرماں روا کا حصہ: علامہ جلال الدین سیوطی تاریخ الخلفاء میں حضرت صدیق اکبر کی اولیات میں لکھتے ہیں کہ یہ پہلے خلیفہ ہیں جن کا روزینہ آن کی رعایا اور پبلک نے مقرر کیا۔ جو روزینہ مقرر ہوا۔ اس کی مقدار بھی قوت لا یموت کی مقدار تھی۔ ایک لباس گرمی کے موسم کا اور ایک سردی کے موسم کے لئے مقرر ہوا۔ اور اس میں یہ شرط تھی کہ موسم گذرنے پر جب دوسرا لباس لیا جائے۔ تو سابقہ لباس بیت المال میں جمع کرا دیا جائے۔ حضرت عمر خلیفہ ہوئے۔ تو انہوں نے بھی بیت المال کے معاملات میں یہی شدت اختیار کی۔

ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے بیت المال میں ایک نافہ مشک دیکھا اس کو اپنی اہلیہ محترمہ کے پاس بھیج دیا کہ اس کو فروخت کر کے قیمت بیت المال

میں بھیج دی جائے۔ تاکہ اہلِ حاجت میں تقسیم ہو سکے۔ انہوں نے نافۂ مشک توڑا اور تھوڑا تھوڑا مشک محلہ کی مستورات کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ بعد میں دیکھا کہ ہاتھوں میں مشک کی خوشبو کا اثر ہے۔ آپ نے اپنے دوپٹہ سے ہاتھ ملے۔ کہ خوشبو کا اثر دوپٹہ میں ہو جانے حضرت عمر نے آکر محسوس کیا کہ دوپٹہ سے مشک کی خوشبو آ رہی ہے۔ دریافت کیا کہ یہ خوشبو کیسی ہے۔ واقعہ عرض کیا گیا۔ حضرت عمر نے فرمایا تمہیں اس خوشبو سے فائدہ اٹھانے کا حق نہیں اس لئے کہ یہ نافہ بیت المال کا تھا۔ حکماً آپ کی زوجہ محترمہ اس دوپٹہ کو دھوتی جاتی تھیں اور سونگھتی جاتی تھیں کہ آیا خوشبو کا اثر زائل ہو گیا یا نہیں۔

ابھی آپ پڑھ چکے ہیں حضرت عمر نے حضور کے حجرہ میں سید الانبیاء اور شہنشاہ کونین کی ایک عجیب شان فقر دیکھی تھی۔ اور بیت المال کے مصارف سے اجتناب کی کیفیت معلوم کر لی تھی گویا آداب فرماں روائی جو عملاً سکھائے جا رہے تھے وہ اس اہتمام سے دل نشین کرائے گئے تھے کہ جب اپنی فرماں روائی کا وقت آیا تو دیکھنے والوں نے دیکھا کہ حضرت عمر شہنشاہ کونین کے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کا زمانہ خلافت ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کوفہ کی جامع مسجد سے نماز عشا پڑھ کر باہر تشریف لائے۔ سردی کا موسم ہے اور آپ سردی محسوس کر رہے ہیں۔ صرف ایک کہنہ لوئی بدن مبارک پر ہے اور جگہ جگہ سے پھٹی ہوئی ہے وہ صرف نصف ساق تک پہنچی ہے۔ یہ حال دیکھ کر ایک صاحب نے

کہا کہ یا امیرالمومنین آخر بیت المال میں آپ کا بھی کچھ حق ہے۔ آپ نے فرمایا خدا کی قسم یہ لوئی بھی میں مدینہ سے اپنے ہمراہ لایا تھا۔ مقصد یہ کہ ایسی کہنہ لوئی بھی بیت المال سے لینا پسند نہیں بلکہ یہ بھی مدینہ سے لائی ہوئی تھی۔

درس نبوت کی یہی تاثیرات سالہا سال کے بعد بھی نظر آتی ہیں حضرت عمر ابن عبدالعزیز جو خلفائے بنی امیہ سے تھے ان کے متعدد واقعات اسی قسم کے ہیں مسند خلافت پر بیٹھنے کے بعد پہلا خطبۂ خلافت دینے چلے تو نہایت قیمتی اور شاندار گھوڑے ان کے لئے حاضر کئے گئے۔ فرمایا میرا وہ سفید خچر لاؤ جو خلافت سے پیشتر میں سواری کے لئے استعمال کرتا تھا۔

پھر ایک روز حکم دیا کہ دمشق کے بازار سے ایک حمال کو بلایا جائے حمال حاضر کیا گیا۔ دریافت کیا تم دن بھر میں کیا کما لیتے ہو۔ چند آنے کی مقدار بتائی گئی۔ فرمایا بیت المال میں میرا حصہ صرف اتنا ہی ہے۔ جتنی اس حمال کی مزدوری۔ ایک روز اپنی اہلیہ سے فرمایا۔ کہ جو زیور تم پہنے ہوئے ہو۔ یہ تمہارا حق نہیں ہے گو بیت المال میں جمع کرادو۔ چنانچہ وہ تمام زیورات بیت المال میں جمع کرا دیئے گئے۔ آپ کی اہلیہ نے ایک روز دیکھا کہ آپ مصلے پر بعد نماز عشا دیر تک بیٹھے روتے رہے۔ دریافت کیا تو کہا اتنی وسیع مملکت میں نہ معلوم کتنے لوگ بے خورش سو جاتے ہونگے۔ کتنے یتیم اور کتنی بیوہ عورتیں ایسی ہونگی جن کا علم مجھے نہ ہوا۔ اور وہ مصیبت میں مبتلا ہونگی کتنے بیمار بغیر دوا کے رہ جاتے ہونگے۔ اگر قیامت کے روز مجھ سے اس بارہ میں بازپرس ہوئی تو میں کیا جواب دونگا۔

ہم تاریخ میں کئی سو سال نیچے اتر آتے ہیں۔ پھر بھی ہمیں جناب رسالت مآب کی تعلیمات کے عملی نمونے نظر آتے ہیں۔ سلطان صلاح الدین کے انتقال پر جو نقد و جنس ان کے پاس سے برآمد ہوا۔ وہ چند درہم و دینار تھے جو ان کے کوٹ کی جیب میں تھے۔

اگر ہم دیگر ممالک اسلامی سے گزر کر اور تقریباً سات سو برس زمانہ نبوی سے عبور کر کے اپنے ملک یعنی مشترکہ ہندوستان کی تاریخ پر دور اسلامی میں ایک نظر ڈالتے ہیں تو ہم کو سلطان ناصر الدین محمود۔ سلطان شمس الدین التمش و سلطان اورنگ زیب کی مثالیں نظر آتی ہیں۔ جنہوں نے اپنے اپنے زمانہ میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو پیش نظر رکھا۔ بیت المال اور خزانہ سے اپنی ذات پر کچھ خرچ کرنے کی بجائے مشقت اٹھائی اور کسب حلال سے زندگی بسر کی۔ سلطان ناصر الدین قرآن مجید کی کتابت سے اور سلطان اورنگ زیب کلاہ بنا کر اکل حلال حاصل کرتے رہے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ تعلیم ان کو اپنے باپ۔ دادا کی طرف سے نہ تھی۔ بلکہ یہ نمونہ تھا۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا جس کی اتباع مختلف دوروں اور مختلف اوقات میں ہوتی چلی گئی۔ وہ آداب فرماں روائی کائنات سے محو نہ ہوئے۔

ہم نہیں بتا سکتے کہ دنیا دار مورخ نے جب یہ نادر و انوکھا نمونہ فرماں روائی دیکھا ہوگا تو اس کو کس درجہ حیرت ہوئی ہوگی۔

بیت المال میں عامۃ الناس کا حصہ اور ان کے حقوق۔ الغرض یہ

ہے اس بیت المال کا تحفظ جس کو اسلام نے ہمیشہ عامۃ الناس کا حق سمجھا
اور کتنے فرماں روا نہایت دیانت داری سے اس کی حفاظت کرتے چلے
آئے۔ اور اس سے جو مصارف کئے۔ وہ اپنی ذات کے لئے نہ تھے
عامۃ الناس کے مفاد کے لئے تھے اور ان سب فرماں رواں کا منتہا
نظر اتباع سنت تھا ؎

غلام نرگس مست تو تاجدارانند
خراب بادۂ لعل تو ہوشیارانند

اس عنوان میں ہم نے قصداً تفصیل سے کام لیا اور مدینہ طیبہ میں
راشدہ تک کے واقعات پر حصر رکھا۔ اس لئے کہ انسان اپنی کمزوری
کے باعث اکثر اسی مسئلہ میں لغزش کھاتا ہے اور کچھ زمانہ گزرنے
ایسے دشوار اسباق کو بھول جاتا ہے۔ جن کو یاد رکھنے میں نفس کی خواہشا
کو لگاتار قربان کرتے رہنا پڑے۔ مگر ایسی نازک گھاٹی سے اسلام
بت سے فرماں رواکس خوبی سے گذرے۔ یہ حضور ہی کی تعلیمات
فیضان ہے

(عامۃ الناس کو حقوق حریت)

اب سیاسی زندگی میں تیسری چیز پر بحث کا وقت ہے۔ بسرِ کائنات
کی تعلیمات سے پیشتر جیسا کہ پہلے ذکر ہوا۔ عامۃ الناس کی آزادی
کر لی جاتی تھی۔ اور فرماں رواؤں کا استبداد ان کو یہاں تک مجبور کر
کہ عامۃ الناس ان کے سامنے سر جھکائے اور ہاتھ باندھے کھڑے
بلکہ ان کو سجدہ ریزی پر بھی مجبور کیا جاتا تھا۔ فرماں روا اور سلاطین

کے دعوے کرتے تھے۔ اور عامۃ الناس کو مجبور کیا جاتا کہ وہ ان کو رب کہہ کر پکاریں۔

تاریخ کائنات میں یہ پہلا موقع تھا کہ اللہ کے بندوں نے اللہ کے آخری رسول کو جن کی فرماں روائی ملک اور مملکت سے گزر کر قلوب پر چھائی ہوئی تھی۔ فرش زمین پر اور چٹائی پر اپنے اصحاب با وفا کے دوش بدوش بلا امتیاز بیٹھا دیکھا اور دیکھتے رہے۔ حتیٰ کہ بیرونی نود آتے۔ اور بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوتے۔ تو ان کو پوچھنا پڑتا۔ کہ تم میں محمد رسول اللہ کون سے ہیں۔ صحابہ کے اصرار پر اس دقت کے رفع کرنے کو جو کچھ ہوا۔ وہ صرف اتنا کہ ایک مٹی کا چبوترہ بنا دیا گیا کہ آنے والوں کو پرسش کی زحمت نہ اٹھانی پڑے۔

رومن حکومت میں اسلام سے پہلے غلاموں کی جو گت بن رہی تھی۔ تقریباً دیگر ممالک میں بھی یہی حال تھا۔ عرب میں خود غلامی کا دستور تھا۔ اور غلاموں کی زندگی نہایت درجہ مصیبت کی زندگی تھی۔ ہندوستان میں خدمتگذار طبقہ شودر کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ طبقہ ملک کی ایک بڑی اکثریت تھی جس پر ہر قسم کی ذلتیں اور مصیبتیں نازل تھیں گویا ان کی یہ حالت تھی۔

غرض جہاں سے کیا اے فلک مرے ہوتے
غریب خانہ ہے موجود ہر بلا کے لئے

رومن حکومت میں ایسے واقعات بھی ملتے ہیں کہ روسا اپنے مہمانوں کی تواضع میں یہ بھی کر گزرتے تھے کہ خورد نوش سے فارغ ہو کر تماشا گاہ۔

میں بیٹھے ایک شیر کو پنجرہ سے نکال کر چھوڑا۔ اور ایک غلام کو اس کے آگے دھکیل دیا۔ شیر اس کو پھاڑتا، چیرتا۔ اور وہ چیخیں مارتا اور یہ ہنستے اور خوش ہوتے۔ یہ تھی دنیا کی ایک بڑی اکثریت کی زندگی!

سرور کائنات کی تعلیمات کے اثر سے اس طبقہ کو بھی نجات ملی۔ حق آزادی اور مساویانہ طور پر عزت و حرمت سے حصہ ملا۔ گرفتاران جنگ غلاموں کی حیثیت سے رکھے جاتے تھے مگر حضور نے ان کے لئے یہ حکم دیا ہوا تھا۔ کہ جو جس کے سپرد کیا گیا ہے، وہ اس کو وہی کھلائے۔ جو وہ خود کھائے۔ جیسا لباس خود پہنے ویسا ہی لباس اس کو پہنائے۔ بلکہ یہاں تک حکم تھا۔ کہ ان کو بیٹا اور بیٹی کہہ کر پکارا جائے۔ ان کی مدارات خاطر داری یہاں تک تھی کہ ایک دفعہ حضرت ابوبکرؓ صدیق حضورؐ کی خدمت میں آ رہے تھے۔ حضرت بلالؓ کو دیکھا کہ ابوجہل کو دیکھ کر کہہ رہے تھے۔ کہ ابھی اسلام کی تلوار نے اس کی گردن نہیں جھکائی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا۔ سردار قریش کے حق میں ایسا کہتے ہو۔ یہ فرماتے ہوئے حضورؐ کی خدمت میں آئے اور واقعہ عرض کیا۔ حضور نے فرمایا۔ ابوبکر تم نے ان کو رنجیدہ تو نہیں کر دیا۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق نے ان سے معذرت کی۔ اسلام سے پہلے حضرت ابوبکر کی حیثیت اور حضرت بلال کی حیثیت پر نظر کی جائے۔ اور ساتھ ہی آج اس حیثیت پر نظر ڈالی جائے تو واضح طور پر معلوم ہو جائیگا کہ غلاموں کی زندگی خاک سے اٹھ کر آسمان تک پہنچی۔

دُنیا کا دستور رہا ہے۔ کہ قوم کے سرمایہ دار اور ذی اقتدار قوم کے پس ماندہ عنصر کو پیستے رہیں مگر حضرت صدیق اکبرؓ کے پہلے خطبہ خلافت سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اس جذبہ کو عامتہ الناس کی بحالی کے لئے کس شدت سے روکا جاتا تھا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے پہلے خطبہ میں فرمایا "میرے نزدیک جو تم میں قوی ہے۔ وہ کمزور ہے۔ جو کمزور ہے وہ قوی ہے" یعنی مقصد یہ کہ قوی کسی پندار میں نہ رہے اور سمجھ لے کہ کمزور کو خلافت کی حمایت حاصل ہے۔

اس سے پیشتر کہ ہم اس سرخی پر بحث ختم کریں۔ حضور کے شاہکار کے اس پہلو پر ایک اور نظر ڈالئے۔ یعنی یہ کہ اس فقیدالمثال انداز فرماں روائی کا کیا نتیجہ برآمد ہوا۔ اس کا نتیجہ بھی فقیدالمثال ہی تھا۔ مدنی زندگی کے دسویں سال کے ختم ہوتے ہوتے حضور پورے جزیرۃ العرب پر متصرف تھے۔ اور حکومت الٰہی تمام عرب پر چھا چکی تھی۔ یہود خیبر مفتوح ہو چکے تھے۔ مکہ فتح ہو چکا تھا حنین کے معرکے ختم ہو گئے تھے۔ غزوۂ تبوک میں روس حکومت میدان کارزار میں آنے کی جرأت نہ کرسکی۔ اور حضور [redacted] کو مع جماعت صحابہؓ غزوۂ تبوک سے واپس آنا پڑا۔ حالاں کہ دو سال سے برابر عیسائی قوم اور روم حکومت کے جنگی مظاہرہ کی خبریں چلی آرہی تھیں۔ کسریٰ ایران کی نخوت بھی پاش پاش تھی۔ یہی دو وسیع حکومتیں عرب کے یمین و یسار تھیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا اس دور میں زمانہ سابقہ کے فرمانرواؤں کی طرح حضورؐ کے ساتھ کوئی تنخواہ دار مستقل فوج تھی؟ کیا حضور کے ساتھ باڈی گارڈ

رہے تھے؟ کیا حضورؐ نے محلات اور قلعے تعمیر کر رکھے تھے؟ کیا قومی خزانہ بیت المال ان اخراجات کے لئے دولت سے لبریز تھا؟ کیا کوئی گران قدر محاصلات کی رقم خزانہ میں مقررہ طور پر ہر سال آتی رہتی تھی۔ نہیں ان میں سے ایک چیز بھی نہ تھی۔ مسجد نبوی کے نمازی بدر میں اُحد میں اور دیگر غزوات میں اپنی بے سروسامانی کے باوجود محض اللہ اور رسولؐ کی تائیدات کی اُمید پر اللہ کے نام پر جہاد فی سبیل اللہ کے لئے کھڑے ہوتے تھے۔ صحابہؓ کی جماعت جو ایثار و قربانی کا سبق دبستان نبوت میں پڑھ چکی تھی ان کا ایک ایک بیت المال کا کام وقتی طور پر دے دیا کرتا تھا۔ خیبر کے قلعہ فتح کرنے والوں کے پاس معمولی حجروں کے علاوہ کوئی قلعہ نہ تھا۔ خود مسجد نبوی کی تعمیر بھی کچی تھی اور اس کے اوپر کھجور کی شاخوں سے چھت پائی گئی تھی خود شہنشاہ کونین کے حجروں کی تعمیر کچی تھی۔ بارش میں دیواروں سے پانی اُترتا تو کمبل ڈال کر وقت گذار دیا جاتا تھا۔ نگران تعمیرات کی روح قوت یہ تھی۔

وہ اس کی چاردیواری نہ تھی کچھ ایسی مستحکم
مگر تھامے ہوئے تھی پھر بھی نظم عالم امکاں

ڈیڑھ ہزار سال سے یہ چیزیں اسلامی اور غیر اسلامی تاریخوں میں تواتر کے ساتھ بیان ہوتی رہی ہیں۔ دوست دشمن ہر ایک کو اس کا اقرار ہے۔ چنانچہ اس موقعہ پر ہم کارلائل کا ایک قول پیش کرتے ہیں۔

Without a standing army, without a bodygua[rd,] without a fixed revenue and without a palace if [a]ny man had the right to say that he ruled by [a] "Right Divine," He was Mohammad.

ترجمہ

بغیر مستقل فوج، بغیر بوڈی گارڈ کے، بغیر مقررہ محاصلات کے [او]ر بلا محلات شاہیہ کے اگر کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ میں نے صرف حقانیت [او]ر صداقت کی بنا پر حکومت کی تو وہ صرف محمد رسول اللہ ہیں۔

مگر اس قیام حکومت تک شاہ کار نبوت ختم نہیں ہوتا۔ بلکہ سالفہ [ز]سالفہ بنائے قوم کا کام بھی انجام پاگیا۔ قوموں کی تربیت اور [شی]رازہ بندی پر نظر ڈالیے کہ بڑے بڑے بانیان قوم آئے اور حد درجہ [قو]موں کی تربیت اور شیرازہ بندی کی جد و جہد کی۔ مگر پھر قوم کے ہاتھ [س]قراط جیسے ناصح کو زہر کا پیالہ پی کر ابد الآباد تک کے لئے خاموش ہو[ج]انا پڑا۔ اور قوم جس حال میں تھی رہ گئی۔ مگر سید الانبیاء کے مقدس

ہاتھوں سے بنائے قوم بھی ہو گئی۔ نہ صرف یہ بلکہ ایک عظیم الشان مذہب کی بنیاد بھی پڑگئی۔ کیونکہ اس دنیا میں بانیان مذاہب بھی آئے۔ اور مذاہب کی بنائیں ڈالیں۔ اور پھر ان کے بعد اصولی تعلیمات تک بھی بعد کی نسلوں نے فراموش کر دیں۔ حضرت موسیٰ قوم کی نگرانی پر اپنے بھائی حضرت ہارون کو تھوڑی مدت کے لئے چھوڑ گئے۔ تو اسی عرصہ میں گئوسالہ پرستی شروع ہو گئی۔ خلیل بت شکن کی یادگار یعنی کعبہ میں ایک زمانہ کے بعد ۳۶۵ بت لاکر رکھ دیئے گئے۔

بانئے حکومت کے لئے ایک ایک شخص کے ساتھ ایک قوم کی قوم اٹھی۔ ملک کے ملک اٹھے۔ خزانے اور فوجیں آراستہ ہوئیں۔ اور پھر بھی دیرپا حکومتیں قائم ہونی مشکل ہو گئیں۔ مگر حضور اقدس صلعم کے شاہکار کی شان یہ ہے۔ کہ یکہ و تنہا غار حرا سے اٹھے۔ چند اعزہ واحباب ایک ایک دو دو کر کے شریک ہو گئے۔ دوسری طرف شدت کی مخالفت ہوتی رہی۔ یہود بھی نصاریٰ بھی، کفار مکہ بھی حائل ہوئے۔ مگر نتیجہ کار یہ دیکھا کہ ایک مکمل مذہب ایک مکمل طور پر تربیت یافتہ قوم، ایک نادر مملکت اور سلطنت معرض وجود میں آ گئے۔ اسی لئے کارلائل کہتا ہے۔

...ammad was a three-fold founder. he founded an ...re, he founded a nation and he founded a ...on.

مذہبی زندگی درحاصل بات یہ اسلام کی تعلیمات کی یہ بھی ایک بڑی ندرت ہے کہ دینی اور دنیاوی زندگی کے جملہ شعبہ جات کو الگ نہیں رکھا۔ بلکہ دینی اور مذہبی زندگی کو اس خوبی سے اور ایسے فطری اصول پر قائم کیا ہے کہ دنیاوی زندگی دین اور عین دین بن جاتی ہے۔ ہم اپنے بیان کی سہولت اور افہام و تفہیم کی آسانی کی غرض سے مذہبی زندگی کا تجزیہ کرکے اس کو الگ الگ بیان کر رہے ہیں۔ اب اصل عنوان یعنی مذہبی زندگی کے بنیادی ارکان پر غور کیجئے۔ تو وہ حسب ذیل ہیں۔

۱۔ توحید باری تعالےٰ کا اقرار و یقین
رسالت سیدالانبیاء کا اقرار و یقین } کلمہ طیبہ کی یہی دو جزو ہیں

۲۔ نماز پنجگانہ اور اس کی پابندیٔ وقت کے ساتھ بجاآوری۔

۳۔ روزہ اور اس کی تمام ضروری شرائط کے ساتھ انجام دہی۔

۴۔ حج اور اس کے ظاہری و باطنی مقاصد کو ملحوظ رکھ کر بجا لانا۔

۵۔ زکوٰۃ اور اس کی انجام دہی کے ساتھ اس کے دوررس نتائج کا تصور رکھنا۔

توحید باری تعالےٰ۔ ہم کلمہ توحید پڑھتے ہیں۔ اس کا دل سے یقین کرتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ ایک بنیادی اعتقاد ہے۔ اور ہونا چاہیئے اس کے دینی اور دنیوی زندگی کے معاد جو کثیر از کثیر ہیں۔ اور جن کا شمار ناممکن ہے۔ کاش ہماری نظر ان معاد تک بھی پہنچے۔

اقرار توحید و رسالت یعنی صرف ایک اللہ کے ہونے کا اور اسی کے قابل عبادت ہونے کا اور اس کے رسول کے برحق ہونے کا یقین اللہ کی شہنشاہی میں اللہ کا ایک وفادار بندہ بنا دیتا ہے۔ اور اللہ سے بغاوت کرنے کے اشد ترین جرم سے بچا لیتا ہے اسی لئے ایک کافر صرف اقرار توحید و رسالت کے ساتھ کفر کی باغیانہ مفرتوں سے بچ جاتا ہے۔ اور اپنے لئے اللہ تعالیٰ کے جملہ انعامات کا دروازہ کھلا ہوا پاتا ہے۔ جو اس اقرار سے پیشتر ناممکن تھا۔ اس اقرار کے بعد ہی وہ خلود فی النار کی سزا سے تو قطعی طور پر مستثنیٰ ہو جاتا ہے۔ اب جوں جوں وہ اعمال صالحہ کی طرف بڑھتا ہے۔ سزا کے امکانات کم ہوتے جاتے ہیں اور جزائے اعمال صالحہ سے سرفراز ہوتا جاتا ہے۔ جس کی حدیں لامحدود ہیں اب ہمیں اس عقیدۂ توحید کے دیگر فوائد پہ نظر ڈالنی ہے۔

عزت نفس انسان میں انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لئے کتنی ضروری چیز ہے یہ عقیدہ انسان میں عزت نفس اس شدت سے پیدا کر دیتا ہے۔ کہ پھر وہ اپنا سر کسی کے سامنے نہیں جھکاتا۔ شجر و حجر اور حیوانات کے آگے سر جھکانے کی لعنت سے بچ جاتا ہے اور اسے انتہائی بیوقوفی کا فعل سمجھتا ہے۔ بڑے بڑے اجرام فلکی آفتاب و ماہتاب اپنی بھرپور تابانیوں کے باوجود اس کے سامنے آتے ہیں۔ مگر

یہ ان کے متعلق کوئی مرعوب کن نظریہ نہیں قائم کرتا ۔ حالانکہ لاکھوں انسان اسلام سے پہلے ان کی پرستش میں مبتلا تھے ۔ اللہ پر ایمان رکھنے والا اب ان چیزوں پر نظر ڈال کر اپنے اور ان اجرام فلکی کے خالق کی طرف متوجہ ہوتا ہے ۔ اس کی صفت خالقیت پر غور کرتا ہے اور خالق کل نے ان اشیا میں انسان کے لئے جو مفاد رکھ دیئے ہیں ان کو اللہ کی عطا سمجھ کر اپنے اللہ کا شکر ادا کرتا ہے ۔ گویا اب اس کا نظریہ یہ ہوتا ہے ۔ کہ

ابر و باد و مہ و خورشید ہمہ در کار اند
تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری

اگر عقیدۂ توحید کی حوصلہ مندی پر غور کریں تو ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ قیام عالم سے آج تک کفار و مشرکین بت پرست اور آتش پرستوں نے جن لاکھوں شخصیتوں کو اور اشیا کو غلط طور پر معبود تصور کیا تھا ۔ عقیدہ توحید کی بنا پر بندۂ مومن ان کو یک قلم ٹھکرا دیتا ہے ۔ اگر اس کا اندازہ کیا جائے کہ لات ۔ ہبل اور دیگر بتوں کی جو ایک غلط ہیبت لوگوں پر چھائی ہوئی تھی ۔ اس کا دور ہو جانا کتنا مشکل تھا تو انسان "انا فانا" اس سبکدوشی کی انتہا درجے قدر کریگا ۔ اہل طائف جب ایمان لائے ان کو طائف کے بت توڑ دینے کے لئے کہا گیا ۔ انھوں نے بتوں کی سینکڑوں سالہ فرضی ہیبت کے سبب تامل کیا کہ کہیں یہ بت ان کو نقصان پہنچا دیں ۔ چنانچہ ابوسفیان جو اسلام سے پیشتر "اعلے ہبل" کا نعرہ لگا

آئے تھے اور اب اسلام لا چکے تھے۔ بارگاہ رسالت سے ان کو اس کام
پر تعینات کیا گیا اور وہ بے دریغ طائف کے ان بتوں پر کلہاڑا چلا آئے
آج آتش پرستوں پر پرستش آتش کے سبب اس کی جو ہیبت دلوں پر ہے۔
مسلمان اس سے کس قدر بے نیاز ہے اور اس فرضی ہیبت کو کس درجہ
قابل تسخیر سمجھتا ہے۔ مسلمان کا ایک بچہ کس آزادی سے بت کو توڑ کر پھینک
سکتا ہے۔ کسی بت پرست کے دل سے اس مسلمان بچہ کی حوصلہ مندی کو
پوچھو۔ حالانکہ وہ بچہ اس کو ایک ایسا آسان کام سمجھتا ہے کہ یقیناً اس سے
زیادہ اس کے لئے کوئی کام آسان اور دلچسپ نہیں جتنا کہ بت کو توڑ دینا۔
غرض عقیدہ توحید کے سبب مسلمان لاکھوں اور کروڑوں معبودان باطل
کا انکار کر کے معبود حقیقی کا اقرار کرتا ہے۔ مگر خدائے تعالےٰ کی صفات
کا سمجھ لینا ایک نہایت مشکل کام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہزاروں سال نسل
انسانی انبیاء کی ہدایت اور تعلیم کے باوجود وقتاً فوقتاً مغالطہ میں مبتلا
ہے۔ مگر اب حضور کی تعلیمات سے بندۂ مومن کے لئے اللہ اور اللہ
صفات کو سمجھنا آسان ہو گیا۔ اور اب امت محمدی کو ڈیڑھ ہزار برس
زمانہ گزرنے پر بھی خدا کے فضل سے عقیدۂ توحید کی بابت کوئی مغالطہ
ہوتا۔ عاقل و دانا سے لے کر جاہل تک توحید کا پرستار ہے حالانکہ ک
بڑی دشواری ہے کہ اللہ تعالےٰ کو اس کی عظمتوں کے سبب چشم ظاہر د
نہیں سکتی۔ کان اس کی آواز سن نہیں سکتے۔ بلکہ اگر ہم اپنے تمام
خمسہ کو صرف کر دیں۔ تب بھی اس کا سمجھنا بہت دشوار ہوتا ہے

لئے اللہ تعالےٰ نے جناب محمد رسول اللہ جو کائنات کے لئے سب سے بڑے اور سب سے افضل رسول ہیں اور اللہ کے افضل الانبیاء اور خاتم النبیین ہیں ان کو اسی مقصد کے لئے اس عالم میں مبعوث کیا اور اپنے اقرار توحید کے ساتھ ان کی رسالت کا اقرار کرا لیا۔ کہ ان کی تعلیمات تم کو آسانی سے خداشناسی تک پہنچا دینگی۔ ان کے ذریعہ اللہ کے احکامات تم تک پہنچ جائینگے اللہ کی قدرت کاملہ کے گواہ اور شاہد ہیں۔ اور اللہ کے رسول امین اور مخبر صادق ہیں۔ ان کی شان اس سے واضح ہے۔

"اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا وَّ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا"

اب انسان اس وادی میں گم گشتہ راہ نہیں ہو سکتا۔ سراج منیر کی روشنی میں راستہ صاف اور واضح ہے۔ وہ انسان جو قدم قدم پر حاجتمند ہے۔ اس سراج منیر کی روشنی میں اب اپنے حاجت روا کے دروازہ پر پہنچ جائیگا۔ آج جناب رسالت مآب کی تعلیمات کے فیض سے مخلوق اپنے خالق حقیقی کے دروازہ پر ہے۔ بندہ اپنے معبود حقیقی کے آستانہ پر ہے مرزوق اپنے رازق کی بارگاہ میں ہے اور کسی دوسرے کا محتاج نہیں ہے

سر اینجا۔ سجدہ اینجا ۔ بندگی اینجا ۔ قرار اینجا

منزل مقصود پر اس طرح پہنچ جانا حضورہی کی بدولت ہے۔ اللہ تعالےٰ حضور سید الانبیاء کی توجہات کو ہمیشہ ہمارے شامل حال رکھے۔

نماز پنجگانہ۔ دنیا میں کوئی علمی۔ ذہنی اور روحانی کام بغیر اس کے

نہیں ہوسکتا کہ انسان اپنی توجہ کو مجتمع کر کے اُس ایک خیال میں منہمک ہو جائے۔ جو اُس وقت اس کا منتہائے نظر ہے بارگاہِ خداوندی کی حاضری میں ظاہر ہے۔ اس مشق کی سب سے زیادہ ضرورت ہے اور جب پانچ وقت اس انداز سے انسان فریضہ نماز کی ادائیگی بجا لاتا ہے تو اس کی یہ مشق کتنی بڑھ جاتی ہے۔ اور وہ ہر ایسی ذہنی مہم میں کامیاب ہوتا جاتا ہے۔ ہمیں کوئی بتائے کہ آج دنیا میں علمی کاموں کے لئے اور تفکری امور کی انجام دہی کے لئے بجز نماز کے اور کونسی مشق جاری ہے۔ گویا خیالات کی یکجائی اور Concentration اسی سے حاصل ہوتی ہے

پھر اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ جسم کے ساتھ روح کا وجود بھی ہے جسم کی بقا کے لئے غذا از بس ضروری ہے۔ روح جو انتہا درجہ لطیف چیز ہے تو اس کی غذا کا سامان بجز نماز کے اور کہاں سے میسر آسکتا ہے ہماری روح کی تر و تازگی اور تقویت کے لئے یہی ایک واحد ذریعہ ہے۔ جو ہر روز دن میں پانچ دفعہ ہمارے پیش نظر ہوتا ہے اور جس سے ہمیں روحانی غذا میسر آتی رہتی ہے۔

نماز میں اللہ کی معبودیت کا اقرار ہے اس کی کبریائی کا اقرار ہے اور اس سے دین و دنیا کے امور میں اعانت کی طلب ہے صراط مستقیم پر قائم رہنے کی تمنا اور التجا ہے۔ سورہ فاتحہ جو ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے۔ اس کے الفاظ پر غور کیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ اس کی صفت رب العالمین اور صفت رحمٰن و رحیمی سے ہر ہر دفعہ اپیل کیا جاتا ہے

تو ہم "ادعونی استجب لکم" (یعنے تم مجھے پکارو۔ میں تمہاری پکار کو قبول کروں گا۔)
کی روشنی میں یقین کرتے ہیں کہ وہ ہماری ان دعاؤں کو سن کر قبول فرماتا ہے اور ہمیں نتیجہ میں دارین کی مرادیں میسّر آتی ہیں۔

علاوہ ازیں نماز باجماعت جو واجب ہے۔ اس کو باجماعت ادا کرنے میں جماعتی نظام مستحکم اور استوار ہوتا ہے۔ باہم دگر تعارف بڑھتا ہے۔ ایک دوسرے کی اعانت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اور اسلامی برادری کی شان نظر آتی ہے کیا آج کا Citizenship اس سے زیادہ ہمیں کچھ سکھا سکتا ہے۔

اب دنیا کے مہتم بالشان امور کے لئے آپ جہاں جائیں گے وہاں یہ نظام آپ کو میسّر ہے۔ اور اس کے ظاہری اور باطنی مفاد آپ کو حاصل ہیں۔ نماز کے علاوہ آیا دنیا میں کوئی ایسی تحریک ہے اور ہو سکتی ہے کہ جہاں بغیر اہتمام کے ایک دن میں پانچ مرتبہ محلہ میں ایسے اجتماع ہوں آٹھ دن میں ایک دفعہ چند مرکزوں پر اس سے زیادہ شاندار اجتماع ہوں۔ سال میں دو دفعہ تمام شہری زندگی کے شریک اُبل پڑیں۔ اور ایک اجتماع کے لئے اس طرح نکل آئیں جس طرح عیدین میں آپ دیکھتے ہیں اور دُنیا کے ایک واحد مرکز پر تمام دنیا فریضہ حج کے موقعہ پر جمع ہو جائے۔ یہ دنیا بھر کی یکجائی اور اجتماع اور ایک امام کے پیچھے نماز پڑھنا ایک امام کے پیچھے متفقہ ذہنیت کے ساتھ اس کا خطبہ اور تقریر سننا اور اس پر

میں پیدا ہونا وہ مفید ترین تعلیم ہے ۔ جس کی مثال نہیں ملتی ۔ اس کے علاوہ
قلبی تسکین اور روحانی پرواز کا یہ عالم اسی نماز سے میسّر ہے جس کا اشارہ
حضور کی اس حدیث میں ہے :" قرۃ عینی فی الصلوٰۃ ۔ " نمازیں میری
آنکھوں کی ٹھنڈک ہے ۔ اور" الصلوٰۃ معراج المومنین " نمازیوں کی معراج
ہے ۔ اہل اللہ اپنی نمازوں میں اسی معراج پہ فائز ہوتے ہیں ۔ جس کا ان
حدیثوں میں ذکر ہے ۔ اسی لئے مشاہدۂ انوارالٰہی سے اپنی آنکھوں میں
وہ ٹھنڈک پاتے ہیں ۔ عمر تمام رات اسی میں بسر کر دیتے ہیں ۔ دنیا و مافیہا سے
بے خبر ہو کر تقرب خداوندی سے لذّت یاب ہوتے ہیں ۔

روزہ دنیا میں جس طرح Concentration خیالات اور
ذہن کی یکجائی کے بغیر کوئی ذہنی اور روحانی کام نہیں ہو سکتا اسی
طرح اس کائنات میں Self-Control اور ضبط نفس کے بغیر بھی کوئی اہتمام بالشان
کام انجام نہیں پا سکتا ۔ انسان جو کھانے پینے کا حد درجہ محتاج ہے اس کو اسی
راہ سے ضبط نفس کی مشق ہو جائے تو پھر وہ کونسی چیز باقی رہ جائے گی ۔ جو
اس کے ضبط نفس میں خلل انداز ہو سکے ۔ خورد و نوش کے پرہیز کے ساتھ
معاصی سے پرہیز اس کی روحانیت کو چمکا دیتا ہے ۔ اسی روزہ میں آنکھ
کان ۔ زبان ۔ دست و پا کو پرمعاصی چیز کا دیکھنا ۔ سننا ۔ بولنا سب منع
گویا روزہ میں تمام اعضاء و جوارح کی ہم آہنگی اور Harmony
سالمۂ انسان کو ضبط نفس ۔ Self-Control کی مشق ہو جاتی ہے ۔ یہ
اس کو دین و دنیا کی بہت سی مہمات پر جرأت دلاتی ہے ۔ جہاد جو لغات

ناموس لبقائے حیات، بقائے دین کے لئے کیا جاتا ہے۔ وہاں یہ مشق کس قدر فائدہ دیتی ہے اور دے سکتی ہے۔

اس کے روحانی پہلو پر نظر کیجئے تو آپ گویا اخلاق الٰہی سے متکیف ہونے کے لئے غذائی کثافتوں سے منزہ اور پاک ہو کر اپنے آپ کو اس کی بارگاہ میں پیش کرتے ہیں اور اسی لئے اس انعام سے سرفراز ہوتے ہیں۔ جس کا ذکر اِس قدسی ارشاد میں ہے کہ الصوم لی وانا اجزی بہ روزہ میرے لئے ہے اور میں اس کا اجر ہوں۔

حج بیت اللہ

آج تمام دنیا میں سیاسی بیداری کا زور شور ہے سیاسی بیداری میں اہل فہم اور اہل الرائے بار بار جمع ہو کر مسائل حاضرہ کو اپنے نفع اور نقصان کے نظریے سے دیکھتے ہیں۔ اقتصادی قومی اور سیاسی نقصان سے بچنے کے لئے اور سیاسی مفاد سے اپنی قوم اور اپنے اہل ملک کو بہرہ اندوز کرنے کے لئے غور و فکر کرتے ہیں اور کسی ایسے نتیجہ پر پہنچتے ہیں جہاں سے عملی اقدام کی ضرورت ہوتی ہے۔ عملی اقدام کے لئے تمام قوم اور تمام اہل ملک کو اپنے عملی پروگرام سے مطلع کیا جاتا ہے اس کے لئے اجتماع اور اعلان درکار ہوتا ہے۔

کیا دنیا میں ان مقاصد کے لئے حج کے اجتماع سے بہتر کوئی اجتماع ہے یا ہو سکتا ہے۔ کیا آج کوئی دعوت دینے والا کوئی خاص اہتمام کرتا ہے جس کے سبب سے یہ اجتماع ہوتا ہے نہیں بلکہ رسالت مآب صلعم کی ایک دعوت اور حضور کا ایک حکم ہے جو آپ ہی آپ ہر سال اس عظیم الشان اجتماع کو برپا کر دیتا ہے۔ جہاں مرد اور عورتوں کے دونوں۔ جیسے

حاضر ہوجاتے ہیں - اہل علم، اہل فہم، اہل الرائے - اہل دولت سے لے کر غربا
بھی حج بدل کے سبب اپنے اپنے طبقوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ پھر الشیا
سے افریقہ سے یورپ اور ہر ہر ملک سے جہاں مسلمان آباد ہیں - آنے والے
آتے ہیں - اور ہر ایک ملک کی نمائندگی ہو جاتی ہے - اس کے ساتھ سب کا
ایک لباس اور ایک مقصد ہوتا ہے اور اس لئے Universal unity
and uniformity یعنی آفاقی اتحاد اور ہمواری کا ایک عظیم بالشان منظر
سامنے ہوتا ہے - قومی اور ملکی تفریق اٹھ جاتی ہے - سنت ابراہیمی اور سنت
محمدی نے جس ایثار و قربانی کی یاد کو قائم کیا ہے وہ ایثار اور قربانی پیش نظر
ہوتی ہے - دنیا کے قدیم ترین معبد اور شعائر اللہ پر جو اللہ کی خصوصی برکتیں
نازل ہوتی ہیں - اس سے بہرہ مندی نصیب ہوتی ہے - قوم مسلم اپنے مرکز
کی قربت اور صاحب مرکز کی الفت کو لے کر اپنے مقام پر واپس
آتی ہے اور باقی ماندہ تمام لوگوں تک وہ تاثرات پہنچا دیتی ہے اس سے بہتر
طریقہ تمام قوم کو مربوط رکھنے کا اور کونسا ہو سکتا ہے۔

حج بیت اللہ کر کے بندۂ مومن معاصی سے پاک ہو جاتا ہے اور آستانۂ
نبوی اور بارگاہ رسالت کی حاضری سے شفاعت نبوی کا وہ تحفہ لے کر واپس
آتا ہے جو قبر میں اور حشر میں کام آنے والا ہے اور دین و دنیا میں باعث
فلاح ہے - یہ وہی وعدۂ شفاعت ہے - جس کا اشارہ اس ارشاد میں
ملتا ہے۔ "وَمَنْ زَارَ قَبْرِیْ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِیْ" - جس نے میرے
مزار کی زیارت کی - میری شفاعت اس کے لئے واجب ہو گئی -

زکوٰۃ دُنیا میں ہر ایک شعبۂ حیات اقتصادی استواری پر قائم ہے، ایک قوم کی انفرادی زندگی میں اور اس کی اجتماعی زندگی میں ترقی اور عروج کا دار و مدار اسی پر ہے۔ پھر مختلف حالات کے تحت قوم کے بعض افراد افلاس میں مبتلا ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اور بعض افراد سرمایہ دار بنتے چلے جاتے ہیں۔ افلاس کے ساتھ لازمی طور پر جہالت عود کرآتی ہے اور اور پھر جہالت اور افلاس کے سبب قوم کا ایک معتدبہ حصہ اور ایک بڑی اکثریت احساس کمتری Inferiority Complex میں مبتلا ہو کر فنا ہونے لگتی ہے۔ اِدھر سرمایہ دار طبقہ نخوت اور غرور میں مبتلا ہو کر خود غرض ہو جاتا ہے۔ اور یہی حالت اس کو محسودِ خلائق بنا کر فنا کے گھاٹ تک پہنچا دیتی ہے۔ فریضۂ نماز کی طرح جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فریضۂ زکوٰۃ بھی ہر صاحبِ نصاب پر قائم کر کے نسل انسانی کی بنیادی اور اقتصادی اصلاح فرمائی۔ ایک طرف تمام قوم کے مفلوک الحال عنصر کی مصیبت دُور ہو گئی۔ دوسری طرف زکوٰۃ دینے والا محسودِ خلائق بننے سے بچ گیا۔ قوم کی اقتصادی حالت اعتدال کے ساتھ ہموار ہونے لگی حتیٰ کہ خلافت راشدہ کے دور میں حضرت عثمان رضؓ کے زمانہ تک قوم اس منزل پر پہنچ گئی کہ زکوٰۃ دینے والے دردر پھرتے تھے مگر زکوٰۃ لینے والے نہیں ملتے تھے۔ اس لئے کہ زکوٰۃ لینا صرف اہل حاجت کے لئے روا اور جائز تھا۔ جب قوم میں اہل حاجت نہ ہوں تو زکوٰۃ دینے والا زکوٰۃ کس کو دے بلا ضرورت دست سوال پھیلانے کی بھی ممانعت تھی۔ اس کا یہ اثر ہوا۔ کہ

قوم میں استغنا اور بے نیازی اور عزت نفس بھی پیدا ہوئی۔
جس تیز رفتاری سے زکوٰۃ قوم کی اقتصادی حالت کو درست کرتی ہے
اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ زکوٰۃ صاحب نصاب پر فرض ہو جاتی ہے
صاحب نصاب صرف لکھ پتی ہی کو نہیں کہتے بلکہ ہر وہ شخص صاحب
نصاب کہلاتا ہے۔ جس کی حیثیت یہ ہو کہ اسکے پاس ½۷ تولہ سونا یا ۵۲
تولہ چاندی ہو۔ اسی طرح دیگر جنس کی شرح ہے۔ ایسی حیثیت
والے قوم میں بہت کافی تعداد میں ہوتے ہیں۔ اتنی بڑی تعداد
غرباء کی امداد کو ہر سال نکلتی رہے اور ان کی اعانت کرتی رہے
تو ظاہر ہے کہ پوری قوم اقتصادی اعتدال پر کس سرعت سے
آجائے گی۔
زکوٰۃ کے علاوہ دیگر صدقات کی تاکیدیں ہیں اور اللہ کے
راستے میں زیادہ سے زیادہ خرچ کرتے رہنے کی تاکیدات سے
قرآن مملو ہے۔ حتیٰ کہ ایک جگہ یہ ارشاد آجاتا ہے۔
وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ۔
اے ہمارے حبیب آپ سے لوگ پوچھتے ہیں کہ ہم کیا خرچ
کریں۔ ان سے فرما دیجیے جو کچھ ضرورت سے زائد ہو۔ یہی احکامات
تھے جو صحابہ کرام" دیگر تمام اہل تقویٰ اور اہل اللہ کی نظر میں
تھے۔ اور وہ سب ان پر عمل پیرا تھے۔ اہل اللہ نے اس مفہوم کو
خوب سمجھا اور "ضروریات" کو قوت لا یموت تک محدود کر کے ذکر کیا

کی شدتوں کے ساتھ انفاق مال کرتے رہیے ۔ حتیٰ کہ وہ اُس منزل پر پہنچ گئے کہ ان کی دعائیں عامۃ الناس کی خوش حالی اور بقائے اقتدار اسلامی کا سبب ہوئیں ۔ جس کا تفصیلی ذکر انشاء اللہ اپنے موقع پر آئے گا ۔ یہاں ہم قوم کے سرمایہ دار کو متوجہ کرکے ایک کلمۃ الخیر اس سے کہنا چاہتے ہیں۔ اور ایک سوال متقیان دین سے کرنا چاہتے ہیں ۔

اس وقت ہر حکومت اور ہر ملک اور ہر قوم اقتصادی مسائل پر متوجہ ہے ۔ اور سرمایہ دار طبقہ کی سرمایہ اندوزی اور مفلس طبقہ کے افلاس سے تنگ ہے۔ اور اسی لئے جاگیرداری نظام کو بدل دینے پر غور وفکر ہو رہا ہے ۔ کیونکہ جاگیرداری سرمایہ داری کا سبب ہے ، اور سرمایہ داری تمام ذرائع معاش یعنی تجارت اور صنعت و حرفت کی اجارہ داری اور Monopoly کا سبب ہے ، اس سے سرمایہ دار طبقہ اُس منزل پر پہنچ جاتا ہے کہ حکومت اور حکومت کی وزارتیں بھی اُنھیں کے قبضہ میں آجاتی ہیں ۔ یہ طبقہ ایک محدود تعداد میں ہوتا ہے ۔ اور تمام ملک کے اقتدار اور سرمایہ پر قابو پا جاتا ہے ۔ قوم کی ایک بڑی تعداد جو افلاس اور فلاکت میں مبتلا ہے ، سخت سے سخت مصائب میں مبتلا ہو جاتی ہے ۔ سرمایہ دار کا جذبۂ سرمایہ داری اتنا بڑھ جاتا ہے کہ وہ دوسروں کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھتا ۔ بخل اور خست اس کا شیوہ بن جاتی

ہے اور عادتِ ثانیہ کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔ خدا کے حکم سے غافل، خدا کے ڈر سے ناآشنا ہو کر اخلاق کی اس منزل پر پہنچ جاتا ہے کہ ؎

بادہ با خوردن و ہشیار نشستن سہل است
چوں بدولت برسی مست نہ گردی مردی

اللہ کا کائناتی نظام ان کے درپے انتقام ہو جاتا ہے تو پھر جاگیرداری نظام کو ختم کرنے پر قوم و ملک اور اہل ملک آمادہ ہو جاتے ہیں۔ ٹھیک اس وقت انھیں اسلام یاد آتا ہے اور اللہ و رسولؐ کے احکام یاد آتے ہیں۔ اب ان کی نظر سب سے پہلے اور سب سے آخر میں جس چیز پر پڑتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ

"صحابہؓ کے زمانے میں جاگیرداری جاری تھی"

مگر انھیں اس وقت بھی یہ یاد نہیں آتا کہ وہ اپنی جاگیرداری اور دیگر تمام مداتِ آمدنی سے خلق اللہ کی کیا کیا خدمت انجام دیتے تھے۔ صحابہؓ میں اس مسلک کے لوگ بھی تھے جو زکوٰۃ کے لئے چالیسواں حصہ نکالنے کی بجائے ۳۹، حصے اللہ کے راستے میں مخلوقِ خدا پر خرچ کر کے صرف چالیسواں حصہ خود رکھتے تھے۔ اور بعض ایسے بھی تھے کہ اتنا بھی نہیں رکھتے تھے۔ اگر اس قسم کے واقعات بیان کئے جائیں۔ تو ایک مستقل تصنیف ہو جائے گی۔ یہ سرمایہ دار پھر مفتیانِ دین کی خدمت میں پہنچ کر فتوی طلب

کرتا ہے اور مقلدین دین ان کو فتویٰ دیتے ہیں اور صحابہؓ کا زمانہ زیر بحث ہوتا ہے۔ مگر صحابہ کا مسلک نہ طالب فتویٰ کے ذہن میں ہوتا ہے۔ اور نہ مفتی صاحب کے پیش نظر ہوتا ہے۔ خدائے تعالیٰ قوم کو اس غرض مند از اقدامات سے محفوظ رکھے۔ یاد رہے کہ جب انتقامات ایزدی کا لمحہ آتا ہے تو کوئی کید و مکر کام نہیں دیتا۔ اس لئے کہ یہ ساعت

اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْد

اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْن

کے مظاہرے کی ہوتی ہے اور اللہ کا یہ کھلا چیلنج سامنے ہوتا ہے:۔

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ (الرحمٰن ۲۷/۲) یعنی اے گروہ جن وانس! اگر تم سے ہو سکے کہ زمین اور آسمان کے کناروں سے نکل بھاگو تو نکل جاؤ۔ مگر وہ بغیر زور کے نہیں نکل سکتے (یعنی اللہ کی تائید کے بغیر ممکن نہیں)

یاد رہے کہ اللہ اور رسولؐ کے انتظام اور ڈسپلن Discipline کو توڑنے والا مآخذۂ الٰہی سے کبھی بچ نہیں سکتا۔ سلامتی اسی میں ہے کہ وقت آنے سے پہلے نیت کو خالص اور

عمل کو درست کر لیا جائے، تو البتہ اللہ اور رسولؐ کی عطا سے عزّت و دولت اور اقتدار آخرت کی فوزِ عظیم - غرض سب کچھ حاصل ہو سکتا ہے - خدا وہ دن لائے کہ قوم اور پوری قوم مسلم قرنِ اوّل کی طرح تعلیماتِ محمدیؐ سے بہرہ مند ہو کر دولتِ دارین حاصل کر لے۔

یہ ہے وہ "مذہبی زندگی" جو اقرارِ توحید و رسالت - نماز روزہ - حج و زکوٰۃ کے مکمل پروگرام کی شکل میں جنابِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں عطا فرمائی۔

اس موقع پر خالد شیلڈرک کی تصنیف کا ایک واقعہ لکھ دینا باعثِ دلچسپی ہوگا۔

خالد شیلڈرک اپنے وسیع مطالعہ اسلامیات کے بعد اسلام لائے تو لوگ اُن سے گاہے گاہے پوچھتے تھے کہ آپ کو اسلام کا کون سا اصول پسند آیا، جس کی بنا پر آپ مسلمان ہوئے؟ وہ اپنی ایک تصنیف میں کہتے ہیں کہ میں ہمیشہ اس سوال کے جواب دینے سے قاصر ہوں۔ اس لئے کہ اسلام کا مجموعی آئین اور نظام اپنی مجموعی حیثیت میں اتنا دلکش ہے کہ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کا فلاں اصول دلکش ہے اور فلاں اصول دلکش نہیں - یہی صحیح نظریہ اور یہی حقیقت ہے - چنانچہ سرورِ کائناتؐ نے اسلام کے آئین اور نظام کو جو مجموعی شکل دی - اسی شکل ہی میں اس پر عمل پیرا ہو

کا پورا پورا فائدہ ہوتا ہے ۔ اہل تقویٰ جو اسلام کے اوامر و نواہی کو عبادات اور معاملات میں پوری طرح نبھا سکے ۔ وہ ہی ایمان کی حلاوت اور شیرینی سے پوری طرح مستفید اور روحانی سربلندیوں پر فائز ہوئے ۔

نسوانی زندگی

حضورؐ کی بعثت سے پیشتر یہ صنف ضعیف جس حقارت اور ہلاکت کے دور سے گزر رہی تھی اور جن مصائب سے دوچار ہو رہی تھی ۔ ان کو دیکھتے ہوئے ہر ذی شعور اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ ایک وقت ایسا آ جاتا کہ دنیا میں نسل انسانی اگر ختم نہ ہو جاتی تو ویران ضرور ہو جاتی ۔ ایک طرف دختر کشی جاری تھی اور دوسری طرف بیوہ کو ستی کی رسم کے تحت آگ میں جھونکا جا رہا تھا ۔ اس کے علاوہ اس کی حالت یہ تھی ۔ کہ ذی اقتدار ہوس پرست انبوہ در انبوہ عورتوں کو خانہ انداز کر لیتے تھے ۔ ان کے حقوق کی پامالی کا یہ عالم تھا کہ باپ کے ترکہ میں، شوہر کی جائداد میں ان کا کوئی حصّہ نہ تھا ۔ ایام ماہواری میں ان کو ذلت سے گھروں سے اس طرح نکال دیا جاتا تھا ۔ جس طرح غیر مویشیوں کو اپنی چراگاہ سے نکال دیا جاتا ہے ۔ عرب میں ہند میں اور دیگر ممالک میں یہ سب کچھ ہو رہا تھا ۔

حضور اقدس صلعم کے ارشادات میں ہم کو ملتا ہے کہ حضور نے فرمایا جو شخص دو لڑکیوں کو پال کر جوان کر دے گا ۔ وہ اور میں

جنّت میں اس طرح قریب ہوں گے، جس طرح یہ دو انگلیاں
(یہ فرما کر آپؐ نے انگوٹھے کے پاس کی دو انگلیاں کھڑی کیں) یہ
بھی یاد رہے کہ اس دورِ قدسی میں حضورؐ کے ارشادات برق و
باد کی طرح پھیل جاتے تھے - اور بڑی شدّت سے قلوب پر اثر انداز
ہوتے تھے - چنانچہ اس ارشاد اور اس قسم کے دیگر ارشادات کے
زیر اثر اس طبقہ کی بقا کا سامان ہوا - چونکہ حضورؐ کا ارشاد ہے
"طلب العلم فریضۃ علیٰ کل مسلم و مسلمۃ" یعنی
علم کا طلب کرنا ہر مسلمان مرد اور ہر عورت پر فرض ہے اس لئے
اس ارشاد کے تحت دولتِ علم سے ہر طبقہ بہرہ اندوز ہونے کا
پوری طرح حق دار ہو گیا - اس فراوانی کے ساتھ یہ حصہ اس طبقہ
کو ملا کہ باید و شاید - اہل بیتِ نبوّت میں اور ازواجِ مطہرات
میں علوم دینی کی اس درجہ مہارت ہو گئی کہ مہماتِ مسائل میں
صحابۂ کرامؓ ان کی طرف رجوع کرتے اور نازک نازک مسائل میں
استفادہ کرتے - امّ المومنین حضرت عائشہ کی یہ شان ہے کہ حضورؐ
نے فرمایا "نہائی دین ان سے لے لو" حضرتِ فاطمہ زہرہ رضی اللہ
عنہا علم و عرفان کی اس منزل پر فائز تھیں جو بنتِ نبیؐ کی شان
کے شایاں تھی - آپؐ کے لئے روزانہ کی وحی کا یہ اہتمام تھا کہ حضرت
علی مرتضٰے کرم اللہ وجہٗ صبح سے شام تک وحی حضورؐ سے سُن کر
جناب سیدہ تک پہنچا دیتے اور پھر جناب امام حسنؓ نے اپنی کمسنی

ہی میں اس خدمت کو اپنے ذمہ لے لیا۔ چنانچہ ایک روز حضرت علی کرم اللہ وجہٗ جب دن بھر کی وحی شام کے وقت جناب سیدہ کو سنانے لگے تو جناب سیدہ نے فرمایا کہ آج کی وحی آپ کے صاحبزادہ حسن علیہ السلام لے آئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کو اس سے بیحد مسرت ہوئی۔ صحابیات کے لئے بھی علم کا فیضان عام تھا۔

بنی امیہ اور بنی عباس کے زمانے میں اور اس کے بعد عورتوں کا علمی کمالات سے آراستہ ہونا ایک عام شعار بن گیا۔

اس طبقہ کی آخری پس ماندہ جماعت باندیاں تھیں جو غلاموں سے زیادہ پس ماندہ زندگی بسر کر رہی تھیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے حقوق کی نگہداشت کا اس درجہ خیال تھا۔ کہ اپنی حیات طیبہ اور حیات ظاہری کے آخری لمحات میں بھی ان کے حقوق کی تاکید اس طرح فرمائی جس طرح نماز کی تاکید۔ ارشاد ہوا "الصلوٰۃ۔ الصلوٰۃ۔ وما ملکت ایمانکم" یعنی نماز۔ نماز اور ملک یمین" نماز کی تاکید اور ملک یمین کے حقوق کی نگاہ داشت کا اس سے زیادہ اور کیا انتظام ہو سکتا تھا کہ آخری لمحات میں بھی اس شد و مد کے ساتھ تاکید فرما دی گئی۔

اس طبقہ کی اقتصادی حیثیت کی طرف اس درجہ توجہ فرمائی کہ باپ کے ترکہ میں اس کو حصہ دار قرار دیا۔ شوہر کے ترکہ میں اس کو حصہ دار قرار دیا گیا۔ شوہر کے ذمے اس کا حق مہر المضاعف تھا۔

عورت کے لئے یہ سب مدآت مل کر اتنی مقدار ہوجاتی ہے کہ پھر
یہ اقتصادی طور پر کسی مرد سے کم نہیں رہتی۔ اس آئین نے اس
طبقہ کی بقا اور بہبود کا وہ سامان کیا کہ آج تک دنیا کی تمام اقوام
اس کو سراہتی ہیں۔

صغیر السن بچوں کی زندگی

تعلیمات نبوی کا اثر آفتاب کی شعاعوں کی طرح ہر چہار طرف پڑ رہا تھا۔ بچے جن کے لئے تکلیف شرعی اس وقت شروع ہوتی ہے جب وہ سن شعور کو پہنچتے ہیں۔ مگر تعلیمات نبوی کے زیر اثر ان کے جذبات دینی۔ ان کی فرض شناسی۔ ان کے ایثار و قربانی کے واقعات بچپن ہی میں سامنے آنے لگتے تھے۔ ہجرت کے وقت حضور کی آمد کا تمام اہل مدینہ نہایت گرمجوشی سے انتظار کر رہے تھے۔ جوق جوق لوگ روزانہ گھروں سے نکل کر گھنٹوں تک راستہ کو تکتے رہتے تھے۔ اسی طرح تین دن گذر گئے۔ آخر تیسرے روز جب یہ لوگ انتظار کر کے واپس ہوئے تو ایک یہودی نے اپنی چھت سے حضور کی سواری کو آتے ہوئے دیکھا اور پکار کر کہا "لو! وہ آگئے، جن کا تمہیں انتظار رہتا تھا" تمام اہل مدینہ الٹ پڑے اور حضور کے استقبال کے لیے شہر سے باہر نکلے تو بچوں اور بچیوں کے جذبات کا عالم تھا کہ آپس میں ایک دوسرے کو بڑے جوش سے کہتے کہ "یہ رسول اللہ آ رہے ہیں"۔ جب حضور کی سواری آگئی

جوشِ مسرت میں بچیاں خوش ہو کر یہ اشعار گانے لگیں ؎

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع

وجب الشکر علینا ما دعیٰ للہ داعی

اُحد کے غزوہ کے لئے مسلمان مدینہ سے نکلے تو حضورؐ نے اس عسکرِ الٰہی کا جائزہ لیا۔ کم سن بچوں کو واپس کیا جانے لگا۔ تو بچے ایڑیوں کے بل تن تن کر کھڑے ہو گئے۔ اور اس ترکیب سے داخلِ لشکر ہو کر اللہ و رسولؐ کے دشمنوں سے جہاد کرنے کے لئے نکل پڑے۔

بدر کے روز حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف فرماتے ہیں کہ میں نے چاہا کہ ابو جہل جو قلب لشکر میں کھڑا ہے۔ اس پر یورش کر کے قتل کر دوں۔ مگر میرے بازوئیں یعنی یمین و یسار ایسے توی لوگ نہ تھے جو اس مہم میں میرا ساتھ دے سکتے۔ ناگہاں میں نے دیکھا کہ ایک کم سن بچے نے مجھ سے پوچھا۔ چچا جان! ان میں ابو جہل کون ہے؟ میں نے کہا کہ بھتیجے! تم کو ابو جہل سے کیا سروکار؟ اس بچے نے کہا "ہم نے سنا ہے، وہ حضورؐ کو ناشائستہ الفاظ سے یاد کرتا ہے۔ خدا کی قسم میں نے قسم کھائی ہے کہ یا آج میں اسے قتل کر دوں گا یا خود اس جد و جہد میں شہید ہو جاؤں گا" ابھی یہ بات ختم نہ ہوئی تھی۔ کہ دوسری طرف سے ایک اور بچے نے مجھ سے یہی سوال و جواب کیے۔ ان دونوں کا نام معوذ اور معاذ تھا۔ غرض میں نے اشارے سے بتایا کہ دیکھو ابو جہل سامنے قلب

لشکر میں کھڑا اپنے لشکر کو جنگ کے لئے اُبھار رہا ہے۔ میرا اتنا کہنا تھا کہ دونوں صاحبزادے باز کی طرح جھپٹ کر قلب لشکر میں پہنچے اور میں دیکھتا رہ گیا۔ ابوجہل ہر چند بچنے کی کوشش کرتا رہا۔ مگر یہ دونوں اس طرح وار کرتے چلے گئے۔ کہ آخر وہ سخت مجروح ہو کر گھوڑے سے گرا اور جان توڑنے لگا دشمنوں نے چاروں طرف سے ان بچوں کو گھیر لیا۔ یہ برابر تلوار چلاتے رہے۔ حتےٰ کہ ان میں سے ایک کا ہاتھ سے کٹ کر لٹکنے لگا۔ ایک ہاتھ کا یہ حال ہے مگر دوسرے ہاتھ سے تیغ زنی جاری ہے چونکہ مجروح ہاتھ تیغ زنی میں مزاحمت کرتا تھا۔ اس کو اپنے پاؤں کے نیچے دبایا اور الگ کر دیا۔ اور پھر آزاد ہو کر تیغ زنی کرتے کرتے جام شہادت نوش فرمایا۔

یہ ہیں تعلیمات نبویؐ کے تاثرات، جن کو دیکھ کر اب وقت میں سمتھ Smith جیسے متعصب مصنف نے بھی کہا ہے " محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات دینی نے جو لوگ دینی دماغوں میں پیدا کر دیا تھا۔ اس کو حضرت عیسیٰؑ کے پیروں میں تلاش کرنا عبث ہے۔ اس لیے کہ حضرت عیسیٰؑ کے پیرؤوں نے، جب نازک وقت آیا تو حضرت عیسیٰ کو دشمنوں کے حوالے کر دیا۔ محمد رسول اللہ کے متبعین نے اپنی جانیں دے کر اپنے کو دشمنوں کے نرغے سے بچایا۔

غلاموں کی زندگی غلامی کی راہ سے انسان بکتا تھا۔ بک جانے پر نہایت بے دردی کا سلوک اس کے ساتھ کیا جاتا تھا۔ جو کام غلاموں کو دیا جاتا تھا اس کی مقدار زیادہ ہوتی اور نوعیت کے لحاظ سے بھی بہت سخت ہوتا۔ آقا کی مرضی کے خلاف کوئی لغزش ہو جاتی تو نہایت بے دردی کے ساتھ زد و کوب کیا جاتا۔ سزائیں دی جاتیں۔ غلام بے چارہ لہولہان ہو جاتا اور پھر بھی یہ دور جاری رہتا۔ غلام اور باندیوں کو ضمیر کی آزادی بھی نہ تھی۔ مذہبی اعتقادات میں بھی وہ آزاد نہ تھے۔ یہی سبب تھا کہ حضورؐ کی بعثت پر تعلیمات نبویؐ سے اس طبقہ کے جن مرد عورتوں نے اسلام قبول کیا۔ ان کو زد و کوب کیا جاتا۔ گرم ریت پر لٹا کر ان کے سینوں پر بھاری پتھر رکھ دیا جاتا۔ حتیٰ کہ حضرت خبابؓ بن ارت بیان کرتے ہیں کہ میرے اسلام قبول کرنے پر ایک روز سلگتے ہوئے کوئلوں کا فرش بچھایا گیا اور مجھے اس پر لٹا کر سینے پر اتنا بوجھ رکھ دیا کہ میں کروٹ نہیں لے سکتا تھا۔ اتنی دیر تک مجھے اس حالت میں رکھا کہ وہ سرخ اور دہکتے ہوئے کوئلے ٹھنڈے پڑ گئے اور میری کمر چربی کی طرح ہو گئی۔ یہ تھی نسل انسانی کی ایک کثیر التعداد جماعت کی قسمت۔ غلاموں کے ساتھ ہر ملک اور ہر قوم میں یہی برتاؤ ہوتا تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غلاموں کے آزاد کرنے

کا جو اجر و ثواب تلقین فرمایا۔ اس کے اثر سے غلاموں کی آزادی کا دروازہ کھل گیا۔ اور جو غلام اپنے آقاؤں کے پاس رہے، اُن کے لئے ہدایت تھی کہ جو تم کھاؤ وہ انھیں کھلاؤ۔ جو تم پہنو، وہ انھیں پہناؤ۔ انھیں غلام کہہ کر نہ پکارو بلکہ بیٹا اور بیٹی کہہ کر پکارا کرو۔ اب ہر انسان غور کر سکتا ہے کہ غلام کی کیا حیثیت ہو گئی۔ یقیناً وہ اپنے آقا کی مملوک ہونے کی حیثیت میں فرزندی کا لطف اُٹھانے لگے۔ ان کی لغزشوں پر درگزر کرتے رہنے کی تاکیدیں اس قدر ہوتی رہتی تھیں...... کہ ایک مرتبہ ایک صحابی اپنے غلام کو سزا دے رہے تھے کہ حضورؐ تشریف لے آئے۔ آپؐ نے فرمایا جو اختیار تم کو اس پر حاصل ہے، اللہ تعالیٰ کو تم پر اس سے کہیں زیادہ اختیار حاصل ہے۔ عرض کیا۔ حضورؐ یہ غلطیاں بہت کرتا ہے۔ فرمایا معاف کر دیا کرو۔ عرض کیا دن بھر میں کتنی مرتبہ؟ حکم ہوا کہ ستر مرتبہ۔ وہ صحابی ڈرے کہ اس حکم کے بجالانے میں کوتاہی نہ ہو جائے۔ اس لئے اس غلام کو آزاد کر دیا۔

اب مولانا الطاف حسین حالی کی زبان سے اس موقعہ پر ان کے مسدس کے چند اشعار سنیں :-

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا
مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا
وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا

فقیروں کا ملجا، ضعیفوں کا ماوی
یتیموں کا والی۔ غلاموں کا مولا

خطاکار سے درگزر کرنے والا
بد اندیش کے دل میں گھر کرنے والا
مفاسد کا زیر و زبر کرنے والا
قبائل کو شیر و شکر کرنے والا

اُتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

مس خام کو جس نے کندن بنایا
کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا
عرب جس پہ قرنوں سے تھا جہل چھایا
پلٹ دی بس اک آن میں اس کی کایا

رہا ڈر نہ بیڑے کو موج بلا کا
اِدھر سے اُدھر پھر گیا رخ ہوا کا

قوم عرب کی علمی اور روحانی زندگی اور اس کی ضیاپاشیاں

اسلام سے پیشتر اہل عرب لکھنے پڑھنے کو باعث ننگ سمجھتے تھے۔ عرب کی زبان آوری فحش شاعری پر ختم ہو جاتی تھی۔ ایشیا کے دوسرے ممالک پر نظر ڈالیں۔ خود ہندوستان میں علم پر برہمنوں کی اجارہ داری

اور Monopoly تھی - بجز برہمن کے علم سے کوئی بہرہ مند نہیں ہو سکتا تھا۔ شدر لوگ وید کی آواز نہیں سن سکتے تھے - یورپ میں پادریوں نے علمی اجارہ داری اور ٹھیکہ داری لی ہوئی تھی۔ پادریت (Priesthood) تمام عیسائی دنیا پر چھائی ہوئی تھی - بجز ان کے کوئی مذہبی پیشوائی نہیں کر سکتا تھا۔ علمی کارنامہ صرف بائبل کے مطالعہ تک محدود تھا۔ دنیا میں جتنے علمی کارنامے ہو چکے تھے وہ خونخوار فاتحین کے اشتعال اور جذبۂ انتقام کی نذر ہو جاتے تھے - قتل عام کے ساتھ نقد و جنس لوٹ لیا جاتا تھا اور کتب خانوں میں آگ لگا دی جاتی تھی - غرض علمی دنیا لاوارث ہو چکی تھی اور اس کو ایسا وارث نہیں مل رہا تھا جو اس کو زمانہ کی غفلت شعاری اور بے دردی سے بچائے علمی دنیا پر جس وقت یہ بے کسی چھائی ہوئی تھی ، ٹھیک اس وقت حضور اقدسؐ نے اپنی زبان مبارک سے فرمایا۔

(۱) طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم و مسلمۃ ۔

علم کا طلب کرنا کل مسلمان مردوں اور مسلمانوں عورتوں پر فرض ہے

(۲) اطلبوا العلم ولو کان بالصین

علم حاصل کرو - اگرچہ چین (مراد دور دراز ملک) میں ہو

(۳) علم و حکمت مسلمان کی میراث ہے جہاں ملے اسے لے لو۔

اس کا یہ اثر ہوا کہ بلا تفریق و امتیاز ہر مسلم مرد و زن علمی کارناموں

کی طرف متوجہ ہوگیا۔ مسلمانوں نے جن علوم و فنون کی بنیاد ڈالی اور تدوین کی، ان کو شمالاً جنوباً اور شرقاً غرباً پھیلا آئے اور سابقہ علمی کارناموں کے ذخیرے اپنی حفاظت میں لئے اور اُن کو تلف ہونے سے بچایا۔ جسٹس امیر علی نے اپنی تاریخ اسلام کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ اگر دورِ قدیم اور دورِ جدید کے درمیان مسلمان قوم حائل نہ ہوتی اور علم کی تدوین، حفاظت اور نشر و اشاعت کی طرف توجہ نہ کرتی تو علمی دنیا ختم ہو جاتی اور تمام سابقہ کارنامے تلف ہو جاتے۔ اب ہم ایک تاریخی مرحلے کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جس کو بچشمِ ہوش دیکھنے کی ضرورت ہے۔ ہمارے نوجوان یورپ سے بہت مرعوب ہیں۔ اس لیے اب ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ یورپ اپنے تمام علمی کارناموں میں باقیٔ اسلام اور بانیٔ اسلام کی تعلیمات اور بانی اسلام کی مبلغ قوم کا ممنون ہے۔ بلحاظ تاریخ کے دو واقعے ہمیں یورپ کی بیداری کی خبر دے رہے ہیں۔

۱۔ ایک تحریکِ احیائے علوم جس کو انگریزی اصطلاح میں Renaissance کہتے ہیں۔

۲۔ ایک دورِ انکشافات جس کو Age of Diseovery کہتے ہیں۔

آج کا عام مؤرخ اور مؤلف یا متعصب ہے یا سہل انگار ہے۔ یقیناً یہ اس میں فکرِ رسا کا فقدان ہے اور اس لیے ہم اس کو متعصب اور

Thinker کی حیثیت نہیں دے سکے۔ مفکرین تاریخ کے میدان میں کم پیدا ہوئے۔ اس لیے سبب اور نتیجہ Cause and effect کا سلسلہ جب کبھی قدرے طویل ہوجاتا ہے تو وہ دور کے سبب کو جو کسی نتیجے کا پہلا اور اصل سبب ہے، نظر انداز کر دیتے ہیں۔ دور افتادہ سبب یعنی Remote cause سے اپنی بحث کو جہالت سے یا تعصب کے سبب یا سہل انگاری کے باعث منقطع کر کے قریب کا سبب اور نتیجہ بیان کر کے آگے بڑھ جاتے ہیں۔ اس طرح ان کے بیان کا مدار قریبی سبب immadiate cause پر قائم ہو جاتا ہے۔ بعد کے مورخ اور مولف اس کی نقل شروع کر دیتے ہیں اور دنیا مغالطے میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ وہ مورخ تحریک احیائے علوم کا سبب یہ لکھ دیتے ہیں کہ ترکوں نے جب قسطنطنیہ کو فتح کیا تو وہاں کے چند اہل علم اور یونان کے فضلا جو وہاں مقیم تھے، پناہ گزین کی حیثیت سے یورپ میں آکر آباد ہو گئے اور انھوں نے علمی نشر و اشاعت کی اور اس کے سبب یورپ قرون وسطیٰ Middle Ages کی تاریکی سے نکل کر علوم کی طرف متوجہ ہوا اور تمام یورپ میں ایک علمی دور کا آغاز ہو گیا اور اس تحریک احیائے علوم کے سبب دور انکشاف شروع ہو گیا اور ایجادات کا آغاز ہو گیا۔ یہ واقعہ اگر تحریک احیائے علوم کا سبب بن سکتا ہے تو قریب کے سینکڑوں اسباب میں سے ایک سبب ہو گا اور کسی طرح سبب اوّلین

اور سبب اصلی نہیں بن سکتا۔ اس لئے کہ:

(۱) یورپ ایک ملک نہیں بلکہ ایک براعظم ہے کوئی علمی تحریک اتنے بڑے براعظم میں اتنی جلدی نہیں پھیل سکتی۔

(۲) اس میں ایک حکومت نہیں بلکہ متعدد حکومتیں ہیں۔ قسطنطنیہ کے پناہ گزین تمام حکومتوں میں نہیں گئے اور نہ جا سکتے تھے

(۳) پناہ گزین کی حیثیت سے مصیبت زدہ لوگ تمام یورپ کو اتنی جلدی بیدار کر کے تحریک احیائے علوم کو نہیں پھیلا سکتے۔ وہ خود اپنے مصائب میں مبتلا تھے۔

(۴) ایسے مصیبت زدہ لوگ اتنی استوار تحریک جاری کریں کہ اسکی بنا پر دور انکشاف شروع ہو جائے حتّے کہ یورپ اپنے علوم وفنون میں اس منزل پر پہنچ جائے جہاں وہ آج ہے بالکل بعید از قیاس ہے۔

(۵) اگر اس کو ممکن الوقوع تصور کر لیا جائے تو کیا وجہ ہے کہ یورپ کی ایک نامور اور بیدار قوم، یعنی انگریز، دو سو برس ہندوستان میں رہے پھر بھی وہاں علوم وفنون، انکشافات اور ایجادات کا دَور دورہ نہ ہو سکے۔

اب ہم یورپ میں تحریک احیائے علوم اور انکشافات کا اصل سبب لکھتے ہیں کہ یہ اُمّت محمدیؐ کا کارنامہ ہے جس نے دنیائے قدیم کے علوم کے ساتھ اپنے قومی علوم وفنون کو یکجا کر کے یورپ میں پہنچایا۔ ایشیا میں پہنچایا اور افریقہ میں پہنچایا عراق۔ شام۔ فلسطین

ایران ۔ افغانستان ۔ ہندوستان ، ایشیا کے وہ ممالک ہیں جہاں مسلمانوں نے تا دیر حکومت کی ۔ اور تہذیب ۔ تمدن ۔ معاشرت اور علوم و فنون کی اشاعت کی ۔ افریقہ میں مصر کی تہذیب و تمدن ، معاشرت ۔ علوم و فنون کی نشر و اشاعت خلفائے فاطمین کے صدقہ سے ہوئی ۔ مصر نے اس سارے بر اعظم اور ایشیا کے تمام ممالک کی رہنائی کی ۔ آج بھی مصر کی یونیورسٹی جامع ازہر جس کی عمر آکسفورڈ کی عمر سے زیادہ ہے ۔ اپنی اس علمی قیادت پر روشنی ڈال رہی ہے ایشیا کے اسلامی علمی مرکز سینکڑوں سال حرمین شریفین' بغداد' دمشق میں رہے ہیں ۔ مگر ہمیں اس وقت یورپ سے بحث ہے ۔

۱ ۔ تحریک احیائے علوم پندرھویں صدی کا واقعہ ہے ۔ اس کے لیئے مورخ کہتے ہیں کہ کوئی سن مقرر نہیں کیا جا سکتا ۔ پھر وہ ہی مورخ کہتے ہیں کہ البتہ اگر کوئی سن مقرر کیا جا سکتا ہے تو وہ ۱۴۵۳ء ہے یعنی پندرھویں صدی کا وسط ۔ کیوں کہ اس سال میں قسطنطنیہ کو ترکوں نے فتح کیا اور یونانی علوم کے ماہرین وہاں سے بھاگ کر اٹلی میں آئے اور یونانی علوم کو یورپ میں پھیلانا شروع کر دیا ۔

۲ ۔ پندرھویں صدی میں یورپ میں کیا گذر رہی تھی ۔ وہ یہ ہے کہ مسلمان کئی سو سال پیشتر سے سپین پر بڑی سطوت کے ساتھ حکومت کر رہے تھے ۔ سپین میں اسلامی تمدن ۔ معاشرت ۔ علوم و فنون کا رواج ہو رہا تھا ۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں مسلمانوں نے دیگر اقوام ماضیہ کے علوم

و فنون کو اپنایا اور ان کو تلف ہونے سے بچایا۔ یونانی علوم و فنون بھی مسلمانوں کے گہوارۂ تربیت میں آکر پناہ گزیں ہوئے۔ اور پرورش پاتے رہے۔ بنی امیّہ اور بنی عباس کے علمی سرپرستی کے واقعات ان کے تصنیف و تالیف کے محکمہ اور قدیم کتب کے ترجمہ کے ادارے اور ان کی علم و فن کی سرپرستی پر تمام تاریخیں شاہد ہیں۔ جن میں بنی امیّہ اور بنی عباس اور ترکوں کے حالات اور واقعات کا ذکر آجاتا ہے۔ چنانچہ سپین میں مسلم حکومت جن علوم و فنون کی نشر و اشاعت کر رہی تھی۔ ان میں اسلامی علوم کے علاوہ جملہ اقوام کے علوم و فنون تھے۔ اور اس میں یونان کے علوم و فنون بھی تھے۔ طبِ یونانی فلسفۂ یونانی کو مسلمانوں نے خود ہندوستان میں جتنا رواج دیا، آج بھی اہل علم پر عیاں ہے۔ سپین کی دو یونیورسٹیاں غرناطہ اور قرطبہ آج بھی اہل علم کی زبان پر ہیں۔ یورپ کے تمام ممالک سے طلبہ ان یونیورسٹیوں میں آتے رہے اور فارغ التحصیل ہو ہو کر اپنے ممالک کو واپس جاتے رہے اور پندرھویں صدی سے سینکڑوں برس پہلے اور بعد تک یہ عمل جاری رہا۔

سپین کے علاوہ مسلمانوں کی حکومت فرانس تک پہنچی۔ اور آسٹریا ہنگری تک پہنچی۔ جہاں براہ راست اسلامی حکومت جملہ علوم و فنون کو رواج دے رہی تھی۔

مسلمان سپین میں کب پہنچے، یہ بنی امیّہ کے دورِ حکومت کا اختتام

اور بنی عباس کے آغاز کا زمانہ ہے۔ اور یہ آٹھویں صدی عیسوی کا وسط تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں کی وہ حکومتیں جو اپنے شباب پر تھیں اور یورپ میں فرانس۔ سپین۔ آسٹریا۔ ہنگری پر چھائی ہوئی تھیں اور حسن انتظامات ملکی کے ساتھ علمی نشر و اشاعت کو ہاتھ میں لے رکھا تھا۔ یونیورسٹیاں قائم تھیں آٹھویں صدی سے پندرھویں صدی تک اُن اسلامی حکومتوں نے پورے ۷۰۰ سال تک یہ جدوجہد جاری رکھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام یورپ میں علمی ذوق پیدا ہوگیا احیائے علوم کی تحریک پھیل گئی اور احیائے علوم کی تحریک کے ساتھ دور انکشافات شروع ہوا۔ اب نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمان قوم اور مسلمان حکومت کی جدوجہد اور سعی بلیغ نے یورپ کو قرون وسطیٰ یعنی Middle Ages کی جہالت سے نکال کر آدمی بنایا۔

اس کے مقابلے میں پھر کہنا کہ پندرھویں صدی عیسوی میں قسطنطنیہ کے فتح ہو جانے کے بعد یونانی عالم جو وہاں آباد تھے اٹلی آ گئے اور یورپ میں علوم و فنون کا چرچا کر دیا۔ یہ بات "علاؤالدین اور اس کے جادو کے لیمپ" کی کہانی سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی ؎

آں قدر جور کن کہ گر جائے گفتہ اید کس اعتماد کند

افسوس یہ ہے کہ آج پاکستان میں جو تاریخ نصاب میں داخل ہے اس میں بھی Renaissance کا یہی سبب پڑھایا جاتا ہے اور پاکستانی بچے اپنے قومی شاہکار سے ناواقف رہ جاتے ہیں۔

جس طرح مسلمانوں نے یورپ کو جہالت سے نکالا، اسی طرح ایشیا اور افریقہ میں مسلمانوں کے علمی شاہکار نے کام کیا اور ظاہر ہے۔ کہ مسلمانوں کے پاس حکومت۔ دولت۔ علم اور جو کچھ آیا وہ جناب محمد رسول اللہ کی تعلیمات۔ تلقینات اور عملی نمونے پر عمل ہی کی بدولت آیا گویا دورِ قدیم کی جہالت کو جس دور جدید نے دور کیا اس دور جدید کا آغاز جناب رسالت مآب صلعم کا مقدس شاہ کار ہے۔ ایک یورپین حق بین مورخ کا ایک قول ہم شروع میں نذر ناظرین کر چکے ہیں۔ اور اس جگہ پھر اس کو دہرا دیتے ہیں۔ جس سے مندرجہ بالا استدلال کی تائید ہو گی۔

His advent marks the dawn of a new era. The world was dead. It had been dead for may centur before him, while race of progress started by h continues unbroken to this day. He standsat the he of the Modern Age and is ist great progenitor.

ترجمہ: حضور محمد رسول اللہ صلعم کی بعثت ایک نئے دور کی صبح سعادت کا آغاز کرتی ہے۔ دنیائے قدیم مردہ ہو چکی تھی اور دنیائے قدیم تو حضور کی بعثت سے کئی سو سال پیشتر ہی مردہ

ہو چکی تھی۔ درآں حالیکہ جو ترقی کی دوڑ دھوپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے شروع ہوئی۔ آج کے دن تک مسلسل جاری ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دورِ جدید کے آغاز پر کھڑے نظر آ رہے ہیں۔ اور حضورؐ ہی اس دور کے ابو الآبا ہیں۔

یہ ہے اسی شاہ کارِ نبویؐ کا ایک پہلو جس پر اس مختصر تالیف میں بحث کی جا رہی ہے۔

مسلمانوں کی عسکری زندگی اور اس کا نصب العین

دُنیا کی تاریخ شاہد ہے کہ جس قوم نے جنگی زندگی بسر کی اس کے ہاتھ سے کتنے خون کے دریا بہے اقتدارِ اعلیٰ تک پہنچ کر اقوام اللہ سے نڈر ہو کر خون ریزی پامالی اور بربادیٔ عالم کرتی ہوئی اور اس طرح اپنا رعب جماتی ہوئی چلی جاتی ہیں۔ مگر مسلم قوم جہاں گئی۔ اللہ کا خوف اپنے دل کی گہرائیوں میں نہاں و عیاں طور پر ساتھ لے گئی۔ اور اس نے ان کے ہاتھ سے عام خون ریزی نہ ہونے دی۔ خود اسلام کا جنگی قانون ملاحظہ ہو۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوات میں جو ہدایات جاری کیں وہ وحی الٰہی کے مطابق ہیں اور کائنات کی اصلاح، امن، آسودہ حالی کی خبر دیتی ہیں اس کے لئے چند سوال نظر میں رکھ لینے چاہییں۔

(۱) جہاد کی اجازت اور جہاد کا حکم کن ناگزیر حالات میں دیا گیا

(۲) اس کا مقصد کیا تھا؟
(۳) آئین جہاد کیا تھا؟

۱۔ واقعات سیرت پر یا ارشادات نبویؐ پر نظر ڈالیے یا قرآن کی ہدایات پر نظر کیجیے۔ آپ ایک ہی نتیجہ پر پہنچیں گے۔ یعنی یہ کہ اسلام میں جہاد اس وقت فرض ہوا جب کفار کی طرف سے اذیتوں کی بھرمار ہوتے ہوئے ترکِ وطن کی نوبت آئی۔ حضورؐ کی مکی زندگی کے تیرہ سال ہر قسم کی اذیتوں کے ساتھ گزر گئے۔ ان اذیتوں کا گزشتہ صفحوں میں ضمناً ذکر آ چکا ہے۔ حضورؐ نے خود بھی فرمایا ہے کہ کسی نبی کو اتنی اذیتیں نہیں دی گئیں، جتنی مجھے دی گئی ہیں۔ مختصر یہ کہ جب ترکِ وطن یعنی ہجرت انہی اذیتوں کے سبب سے کرنی پڑی۔ اس کے بعد جب یہ گروہ قدسی مدینہ میں بسا تو وہاں بھی کفارِ مکہ اور دیگر دشمن یعنی یہود و نصاریٰ کی سازشیں جاری رہیں۔ اب اجازت جہاد بھی آئی اور حکم جہاد بھی آ گیا اور واقعہ بدر پیش آیا اور غزوات کا سلسلہ جاری ہو گیا اس سلسلہ کی پہلی آیت کا مفہوم یہ ہے کہ ان لوگوں کو اب جنگ کی اجازت ہے جن کو وطن سے نکالا گیا۔

۲۔ اس تفصیل سے واضح ہو گیا کہ جہاد کا مقصد یہ تھا کہ انتہا درجہ صبر و تحمل کے بعد بھی اگر دشمن آمادۂ آزار ہے اور دین و ایمان، عزت و آبرو اور جان و مال خطرے میں ہے تو پھر ایسے اعدائے انسانیت سے جنگ کرنے کی اجازت ہے تاکہ امن عامہ قائم رہے۔

۴۔ مگر اس اجازت جہاد میں بھی ان ہدایات نبویؐ کو ملحوظ رکھا جاتا تھا جو خود دشمن کے لئے بھی آیۂ رحمت تھیں۔ دنیائے اسلام سے پیشتر اس قسم کا آئین جنگ نہ دیکھا تھا نہ سنا تھا مثلاً یہ کہ :

(۱) دشمن پر اچانک حملہ نہ کیا جائے۔

(۲) رات کے وقت شب خون نہ مارا جائے۔

(۳) بوڑھوں۔ بچوں اور عورتوں پر دست درازی نہ ہو۔

(۴) جو جماعت مقابل آکر لڑے اس سے لڑا جائے۔ جب وہ ہتھیار ڈال دے تو جنگ سے ہاتھ روک لیا جائے۔

(۵) دشمن کے مکانات۔ باغات اور کھیتوں کو نقصان نہ پہنچایا جائے۔

(۶) دشمن پر چشمے، نہریں۔ کنووں کا پانی بند نہ کیا جائے۔

(۷) گرفتاران جنگ کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے۔

یہ ہدایات اور اسی قسم کی دیگر ہدایات پر سختی سے عمل درآمد ہوتا تھا۔ اس سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ اسلام فتنہ و فساد برپا کرنے والوں سے جنگ روا رکھتا تھا اور صرف اس لئے کہ فتنہ و فساد رفع ہو جائے اور امن عامہ سے ہر ایک بہرہ اندوز ہو۔ درآں حالیکہ اس زمانہ میں ہر قوم، ہر ملک عام غارت گری کی نیت اور ارادہ سے جنگ کے لئے اٹھتا تھا۔ آبادیاں نذر آتش ہو جاتیں، باغات اور کھیتوں میں آگ لگا دی جاتی۔ قتل و خون کا سیلاب، مرد و عورت، بچوں کو بلا امتیاز بہا لے جاتا۔ اس لئے شاہ کار نبوتؐ کا یہ کتنا اہم جزو ہوا کہ اس کا نشان

میں تمام غارت گری کو روک دینے کے لئے ایک عدیم النظیر قسم کا اسلوب عملی طور پر سکھایا گیا۔ یہی وہ اسلوب تھا جس کے زیر اثر اقوام نے آئین جنگ میں بربریت اور ظلم کو معیوب سمجھنا شروع کیا۔ اور اس قسم کی عام غارت گری، بربریت اور ظلم کا انسداد ہوا۔ ڈیڑھ ہزار سال کے عرصے میں قانونِ جنگ کے اس اعتدال سے کتنے کمزور لوگ ہلاکت بیجا سے بچ گئے۔ یہ بھی اسی رحمتِ عامہ کی تشریح ہے جو جناب رحمۃ للعالمین کی شانِ رحمت سے ہوئی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سید الانبیاءؐ، اہل بیتؑ اور اصحابؓ

۱۔ ہمارے ناظرین نے اوّل صفحوں میں یہ پڑھا کہ تمام کائنات پر حضورؐ کے شاہکار کا کتنا مہتم بالشان اثر پڑا۔ یعنی وسعتِ شاہکا نبویؐ کس درجہ ثابت ہوئی۔

۲۔ اس کے بعد کے صفحوں میں یعنی جہاں سے انفرادی زند خانگی زندگی، قومی زندگی، مذہبی زندگی، سیاسی زندگی وغیرہ وغیرہ اصلاحی کارنامہ شروع ہوتا ہے۔ یہ دیکھا کہ قوم عرب کے اندر کس طرح تہ بہ تہ اور فرداً فرداً شاہ کارِ نبوی کا اصلاحی اثر سرایت کرتا گیا یعنی شاہ کارِ نبویؐ کے عمق پر آپ کی نظر پڑی اور اندرونِ ملک ا قوم کی اصلاحی تفصیلات تک آپ کی نظر پہنچی۔

۳۔ اس وقت مزید خوردہ بینی کی ضرورت ہے۔ یعنی اب آپ کو یہ دیکھنا ہے کہ شاہ کار نبویؐ نے کس طرح ایک ایک انسان خصلتوں اور اخلاقوں پر اثر ڈالا۔ ان میں روحانیت پیدا کی۔ ان تزکیۂ نفس کرایا۔ یہاں تک کہ ان کے حواسِ خمسہ کی قوت ان کی طاقت اور ان کی قلبی کیفیت میں ایک انقلاب برپا ہوگیا۔

ہم پہلے بھی بتا چکے ہیں۔ دراصل اسلام کلیتاً ایک انقلاب رحمت تھا، جو کائنات پر سرعت کے ساتھ چھا گیا۔ عرب سے اٹھا کہ وہ مقدس تک اس کا سرچشمہ تھا۔ قلوب تک اُتر گیا کہ وہ اس کی آماجگاہ تھے۔ اور یہ رفتار ہر دو پر مسلط ہوتی گئی کہ فیضان نبویؐ جاری تھا۔ جاری ہے اور انشاء اللہ تا قیام قیامت جاری رہے گا۔

ہم ابھی یہ کہہ چکے ہیں کہ تعلیمات نبویؐ سے تزکیہ نفس ہوا۔ باطنی اور ظاہری کیفیت بدل گئی حتےٰ کہ حواس خمسہ میں تغیر ہوا۔ اب سوال یہ ہے کہ حواس خمسہ کیا ہیں اور کتنے ہیں۔ ظاہر ہے کہ حواس خمسہ یہ ہیں۔

۱۔ دیکھنا :۔ قوت باصرہ
۲۔ سننا :۔ قوت سامعہ
۳۔ سونگھنا :۔ یعنی قوت شامہ
۴۔ چکھنا :۔ قوت ذائقہ
۵۔ چھونا :۔ قوت لامسہ

اب ان حواس کی قوتوں کا اندازہ کیجیے، جو تزکیہ نفس کا لازمی نتیجہ ہیں۔ اور یہ تزکیۂ نفس حضورؐ ہی کی تعلیمات کے زیر اثر ہوا۔

اب ہم چند مستند واقعات بیان کر کے یہ ثابت کرتے ہیں کہ بینش اور سماعت کی قوتوں میں کس طرح تغیر ہوا؟

حضرت عمرؓ کا زمانہ خلافت ہے۔ آپ برسر منبر خطبہ دے رہے ہیں کہ اثنائے خطبہ میں اچانک جملہ معترضہ کے طور پر منہ سے نکلا۔

یا ساریۃ الجبل

اے ساریہ! پہاڑی کی آڑ لے لو

واقعہ یہ تھا کہ ان دنوں حضرت ساریہ سپہ سالار کی حیثیت سے ایک غزوہ میں گئے ہوئے تھے اور میدان کارزار میں تھے۔ لوگوں نے حضرت ساریہؓ سے اُن کی واپسی پر یہ واقعہ تفصیل سے بیان کیا کہ اس طرح حضرت عمرؓ نے تمہارا نام لے کر یہ جملہ بر سر منبر کہا تھا۔ انھوں نے کہا کہ ہاں میں نے میدان جنگ میں حضرت عمرؓ کی یہ آواز سُنی۔ ان کی اس ہدایت پر عمل کیا اور میں اور میرا لشکر خطرے سے بچ گیا۔ اور فتح یاب ہوا۔ علامہ اقبالؒ کی زبان سے بھی سنا تھا کہ ؎

نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

آخر یہ کیا تھا؟ اصطلاحِ قدیم میں آپ اسے کرامت کہتے ہیں اور اطمینان سے بیٹھ جاتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے کب چاہا تھا کہ مجھ میں کرامت پیدا ہو جائے۔ حضور نے کب کہا تھا کہ میں تمھیں یہ کرامت سکھا رہا ہوں۔ بلکہ بات یہ ہے کہ حضور اقدس صلعم کی تزکیۂ نفس کی تعلیمات کے یہ لازمی نتیجے تھے اور یقینی تاثیرات تھیں۔ مقصد حصولِ کرامت نہیں ہوتا تھا بلکہ مقصد تزکیۂ نفس اور حصولِ تقرب خداوندی ہوتا تھا۔ اور یہ اسی تزکیہ سے خود بخود پیدا ہو جانے والے اثرات تھے کہ حضرت عمرؓ کی بینائی کے لئے مادی حجابات اُٹھ گئے تھے اکس ریز RAYS کی طرح نہیں بلکہ اس سے کہیں زیادہ قوت کے ساتھ بینائی کی شعاع درمیانی فاصلے اور حجابات سے گزر کر اس کائنات میں ہر جگہ اسی

پہنچ جاتی تھیں جس طرح عام نگاہیں قریب کی اشیاء تک پہنچتی تھیں، گویا اب ہم کہہ سکتے ہیں کہ حواس خمسہ میں سے ایک بینائی بھی ہے۔ اس کی قوت کا اب یہ حال ہے۔

اسی طرح حضرت ساریہ کی سماعت کی قوت اتنی بڑھ گئی تھی کہ وہ اس ہدایت کو آسانی سے سن سکے۔

تو اب یہ کہنا کیا غلط ہے کہ حضورؐ کے فیض صحبت اور تعلیم کی برکت سے حواس خمسہ کی کیفیت بدل گئی تھی۔

صحابہؓ فرماتے ہیں کہ ہم حضور کے ساتھ کھانا کھاتے تھے اور کھانوں سے تسبیح و تہلیل کی آوازیں سنتے تھے۔ گویا

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

کی تفسیریں ہو رہی ہیں۔ کان سن رہے ہیں کہ بے شک فرمودۂ حق کے مطابق ہر چیز تسبیح الٰہی بجا لاتی ہے۔

خود حضورؐ کا ارشاد ہے

اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ۔

مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور کے ساتھ یعنی اس نور کی روشنی میں ہر چیز اور ہر معاملہ کو دیکھتا ہے تو معلوم ہوا کہ فراستِ مومن کی قوت بھی اتنی بڑھ جاتی ہے۔

دورِ یزیدی میں فرزند رسول اللہ یعنی امام حسین علیہ السلام اہلِ کوفہ کے بلانے پر کوفہ کی طرف روانہ ہوئے تو ایک مقام تک پہنچ کر

آپ کی سواری رُک گئی جس طرح خود حضورؐ کی سواری مدینہ طیبہ پہنچ کر حضرت ابوایوبؓ انصاری کے مکان کے سامنے رُک گئی تھی۔ گویا جس طرح حضورؐ کی سواری مامور من اللہ تھی، فرزندِ رسولؐ حضرت امام حسینؓ کی سواری بھی مامور من اللہ تھی۔ غرض آپؓ نے ہر چند اس سواری کو آگے بڑھانا چاہا۔ مگر وہ آگے نہ بڑھی۔ آپ سواری سے اترے اور اس جگہ کی خاک کو اُٹھا کر سونگھا اور فرمایا بیشک اس سے کرب اور بلا کی بُو آتی ہے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہُوا کہ اس سرزمین کو کربلا کہتے ہیں۔ فرمایا یہی ہمارا مشہد ہے اور یہی ہمارا مقتل ہے۔

آپ نے دیکھا کہ حضرت امام حسینؓ نے اس سرزمین کی مٹی کو سونگھ کر معلوم کر لیا کہ اس سے کرب اور بلا کی بُو آتی ہے۔ اس قوتِ شامہ میں یہ خاصہ اس لئے پیدا ہوا کہ حضورؐ کی تعلیمات سے جس طرح عقل کی اصلاح ہوئی اسی طرح حواسِ خمسہ اور عقل و فہم نے بھی حیرت انگیز ترقی کی۔ حضرت یعقوبؑ نے حضرت یوسفؑ کی بُو کتنے فاصلے سے کس طرح سونگھی؟ اس پر قرآن گواہ ہے۔ وہ رسول تھے مگر فرزندِ رسول یعنی حضرت حسینؓ نے بھی فیضانِ نبویؐ سے وہ ملکہ حاصل کر لیا تھا۔

دُنیا میں بہت سی لذتیں اور ذائقے ہیں۔ تلخ و شیریں بھی دو متقابل کے ذائقے ہیں۔ مگر موت کی جو تلخی ہے اس سے بڑھ کر کوئی چیز تلخ نہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعلیمات نے موت کو اتنا شیریں بنا دیا تھا کہ صحابہؓ جہاد کے معرکوں میں اس کے لیئے دوڑتے تھے۔ ایک

صحابیؓ کا واقعہ ہے کہ وہ جہاد پر جاتے وقت حضورؐ سے عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ دعا فرمائیں کہ مجھے شہادت نصیب ہو۔ عام طور پر ایسے موقعہ پر فتح مندانہ واپسی اور سلامتی کی دعا کراتے ہیں۔ چنانچہ حضورؐ نے انھیں اسی قسم کی دعا دی۔ سالماً دغانماً

یعنی سلامتی کے ساتھ فتح مندانہ واپس آؤ۔ مگر وہ پھر مصر ہوتے ہیں کہ نہیں۔ یا رسولؐ اللہ شہادت کی دعا فرمادیں۔ یقیناً یہ اسی لئے تھا کہ موت ان کے لئے تلخ نہ تھی بلکہ شیریں تھی اور حیات جاوید کے ساتھ انعامات کی لذتوں کی حامل تھی۔

حضرت امام حسینؓ نے میدان کربلا میں شب عاشورہ اپنے سب احباب سے کہا کہ کل کے روز تم سب قتل کر دیئے جاؤ گے۔ اس لئے میں بہ خوشی تمھیں اجازت دیتا ہوں کہ رات کے وقت اپنی اپنی سواریاں لے کر نکل جاؤ۔ ان لوگوں کو صرف مجھ سے سروکار ہے۔ میں یہاں موجود ہوں۔ سب نے متفقہ طور پر کہا کہ ہم سے یہ بے وفائی نہیں ہو سکتی۔ اس کے بعد حضرت امام حسینؓ کے برادر زادہ حضرت قاسمؓ نے دریافت کیا۔ چچا جان! "آیا میں بھی انھیں قتل ہونے والوں میں ہوں"؟ آپ نے فرمایا "بھتیجے! موت تمھارے نزدیک کیسی چیز ہے"؟ عرض کیا کہ "شہد سے زیادہ شیریں"۔ حضرت امام حسینؓ نے فرمایا "بے شک تم بھی شہید ہونے والوں میں ہو"۔ ناظرین نے دیکھا لفظاً معناً اور عملاً موت کو شیریں سمجھا جارہا ہے۔

نسل انسانی کے نظریوں پر اثر

ہمارے ناظرین اسی مسئلہ موت کو اس نظر سے بھی دیکھیں کہ موت و حیات دو برعکس چیزیں ہیں۔ لیکن حضور نے قرآن کی زبان میں بتایا تھا کہ شہید نہیں مرتا۔ وہ زندہ رہتا ہے یعنی اسے زندگی جاوید مل جاتی ہے بلکہ اُسے مردہ کہنا بھی نہیں چاہیے۔ قرآن کی آیت ملاحظہ ہو:۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْیَاءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ۔

جو لوگ اللہ کے راستے میں قتل ہو گئے انھیں مردہ مت کہو۔ بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم نہیں سمجھتے۔

اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ یہ نظریہ اب بدل گیا ہے کہ مجاہد کی موت، موت ہے۔ بلکہ نظریہ یہ قائم ہوا کہ مجاہد فی سبیل اللہ کی موت، حیات ہے۔ تعلیماتِ نبویؐ کا یہ اثر ہوا کہ موت کو اس یقین کے ساتھ ہی حیات سمجھا گیا اور اس کے لیئے ہاتھ پھیلایا، دوڑے، تمنائیں کیں اور اس کے لیے خود حضورؐ سے دعائیں کرائیں۔ تعلیمات نبوی اور ارشادِ نبویؐ کی یہ محیر العقول تاثیرات ہیں۔ حضرت موسیٰؑ نے جب جہاد کے لیے اپنی قوم سے فرمایا تھا تو آپ کو یاد ہے کیا جواب ملا تھا؟ قرآن میں وہ جواب آج بھی موجود ہے "آپ اور آپ کا اللہ دشمنوں سے جہاد کرے۔ ہم تو یہاں بیٹھے ہیں"۔

اِنَّ ھٰھُنَا قَاعِدُوْنَ

مگر حضورِ اقدس کی تعلیمات نے ان کی تلخی کو اتنا شیریں بنایا اور اس موت کو اس طرح حیات بنا دیا کہ لوگ جہاد میں جانے کے لیے مضطرب ہیں مگر سواریاں بہم نہیں پہنچیں تو وہ حضور کے سامنے عرض کرتے ہیں اور اس غم سے روتے ہیں کہ وہ جہاد سے محروم رہ جاتے ہیں قرآن میں ان کے اس گریہ کا بھی ذکر ہے ؛ (سورۂ توبہ ملاحظہ ہو)

گویا اس گروہِ قدسی کا اب یہ نظریہ بدل گیا کہ صرف یہی ایک حیاتِ دلکش ہے جو گزر رہی ہے بلکہ اب ان کا نظریہ یہ ہے کہ اس حیات سے زیادہ دلکش وہ حیات ہے جو اللہ کے راستے میں شہید ہو کر ملتی ہے ۔ اور اس کی دلکشی اتنی ہے کہ اس کے لئے ہاتھ پھیلا رہے ہیں آنسو بہا رہے ہیں ؛

پھر یہی نہیں بلکہ موجودہ حیاتِ ظاہر میں شوریدہ سری کے جذبات کو مُردہ کر دینے کی غرض سے فرمایا گیا کہ

مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا

گویا اس حیات کی ایک کیفیت یہ بھی نکلی کہ اس میں شوریدہ سری کے جذبات اس طرح نکال دیے جائیں کہ ان جذبات کی جنبش نہ رہے اور اس لحاظ سے یہ حیات گویا موت کے مُرادف ہو جائے ۔

چنانچہ قرنِ اوّل کے مومنین یعنی اہلِ صفہ نے اور بعد میں اہلِ خانقاہ نے اس حیات میں سے شوریدہ سری کا سامان اس طرح دُور کر دیا کہ

یہ حیات حیاتِ ملکوتی بن گئی اور فرشتوں کے لئے قابلِ رشک ہوگئی ۔

گویا بہ الفاظِ دیگر یوں کہیے کہ سیفۂ حیات پر موت اور سیفۂ موت پر حیات کو مسلط کر دیا گیا اور اس لئے ان دونوں میں ہم آہنگی ہوگئی ۔ جس نے حیاتِ ظاہر اور حیاتِ باطنی دونوں کو مفید سے مفید تر بنا دیا ۔ یا بہ الفاظِ دیگر یوں کہیے کہ موت و حیات کے نظریئے بدل گئے ۔

اسی طرح دنیا میں ایک نظریہ کمتریت اور مہتریت کا بھی تھا ۔ عزت ۔ دولت ۔ شان و شوکت مہتریت عطا کرتی رہی ۔ افلاس خستہ حالی کمتریت کی طرف نسلِ انسانی کو دھکیلتی رہی ۔ مہتریت کا تفاخر اس دوسرے طبقہ کے لئے ایک مصیبت بن گیا تھا اور کمتریت سے مہتریت تک پہنچنا مشکل تھا ۔

اس کے ساتھ ہی رنگ اور نسل کے امتیازات تھے جو اپنے مقابل کے گروہ پر اپنی مہتریت قائم کرکے ان کو جینا مشکل کر دیتے تھے ۔

حجۃ الوداع کے موقعے پر ارشاد ہوا کہ نہ گورے کو کالے پر فضیلت ہے ، نہ کالے کو گورے پر ۔ تمام لوگ آدمؑ کی اولاد ہیں اور آدمؑ مٹی سے تھے ۔ اس طرح سطح کو ہموار کرکے عزت و تکریم کا ایک ایسا منصب پیدا کر دیا ۔ جس کی طرف ہر ایک انسان ہاتھ بڑھا سکتا تھا اور انسانی سوسائٹی فلاح و بہبود اور فوزِ عظیم تک پہنچ سکتی تھی ۔ فرمایا ۔

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقٰكُمْ

(تم میں سب سے زیادہ معزز و مکرم وہ ہے جو سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہے)

جو سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہے، وہ سب سے زیادہ معاصی سے بچتا ہے یعنی وہ تمام اوامر کی تعمیل کرتا ہے اور نواہی سے پرہیز کرتا ہے اور خلق اللہ کی خدمت کے جذبات کا حامل ہوتا ہے۔ اس طرح واقعی وہ ایک مفید انسان بن جاتا ہے گویا ایک مفید انسان بن جانے کی طرف سب کا خیال لگ گیا اور کمتریت اور مہتریت کا وہ نظریہ بالکل بدل گیا۔ جو سوسائٹی کے لئے باعث مضرت تھا۔

اسی طرح ایک نظریہ دنیا میں ملک و قوم کا چلا آ رہا تھا۔ گویا نسل انسانی ملکوں اور قوموں میں بٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی تھی۔ اس زندگی میں تصادم کے زیادہ امکانات ہوتے تھے۔ ایک قوم دوسری قوم کو اور ایک ملک دوسرے ملک کو حسد اور عناد کی نظر سے دیکھتا تھا۔ اس میں یہ بھی نقصان تھا کہ یہ تقسیم کسی نسل انسانی کے مفاد کو سوچ کر قائم نہیں کی گئی تھی۔ بلکہ ایک جغرافیائی افتاد کے سبب ایک حصہ زمین ایک خاص ملک کہلایا اور وہاں کے رہنے والے ایک خاص قوم کہلائے۔ یہ اقوام اپنی برتری اور راحت کے لئے اپنی پڑوسی اقوام سے جنگ کرتی رہیں، ایک قوم دوسری قوم کو پیستی رہی اور ایک ملک دوسرے ملک کو پامال کرتا رہا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شاہکار اور تعلیمات کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ دنیا کو اس کشاکش سے نکال دیں اور کائنات کا یہ تنگ قومی اور ملکی نظریہ بدل دیں اور اس کی جگہ ایک ایسا صحیح نظریہ قائم کر دیں جو تمام نسل انسانی کو تسبیح کے دانوں کی طرح باہم گرہ بند کر دے۔ اور متحد الخیال کر دے۔ تاکہ ایک دوسرے کی طرف پامال کرنے والا ہاتھ بڑھانے کی جگہ ایک دوسرے کی طرف مدد دینے والا اور راحت پہنچانے والا ہاتھ بڑھایا جا سکے۔ حتیٰ کہ یہ منظر سامنے آ جائے کہ

بنی آدم اعضائے یک دیگر اند
کہ در آفرینش ز یک جوہر اند
چو عضوے بدرد آورد روزگار
دگر عضو ہا را نماند قرار

چنانچہ نسل انسانی کو بتا دیا گیا کہ تم ایک کنبہ ہو۔ تمہارا خالق و مالک اور تمہارا پروردگار اور معبود وہ ہی ایک اللہ ہے اور تم سب اس کے بندے ہو۔ لہٰذا اس کے آگے تم سب بندگی کا سر جھکاؤ اور اس پر ایمان رکھو۔ ایک اللہ کے بندے ہونے کے سبب تم سب آپس میں بھائی ہو۔ اس مضمون کو مختصر الفاظ میں اور مذہب کی زبان میں سنو تو وہ یہ ہے۔

كُلُّ مُؤْمِنٍ اِخْوَةٌ
(تمام مومنین آپس میں بھائی بھائی ہیں)

اَلخلق عیالُ اللہ
(تمام خلق اللہ کا کنبہ ہے)

اب اگر ایک گروہ اللہ سے پھر جائے اور باغی ہو جائے، تو اپنی ذات کی خاطر نہیں بلکہ اس کو اللہ کا فرمانبردار بنانے کے لیئے اسے راہِ راست پر لے آؤ۔ تبلیغ کا یہی مقصد ہے۔ اگر وہ راہِ راست پر نہ آئے بلکہ فساد برپا کرتا پھرے۔ امن میں خلل ڈالے تو محض اللہ کے لیے اس سے جہاد کرو۔

حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کا ایک واقعہ ہمیں اس مضمون کو وضاحت سے سمجھا دیتا ہے۔ آپ ایک جہاد پر ہیں اور ایک کافر کے مقابلے میں لڑتے ہیں۔ اُسے قابو میں کر کے قتل کرنا چاہتے ہیں۔ کہ وہ گستاخانہ آپ کے چہرۂ انور پر تھوک دیتا ہے۔ آپ اس کو قتل کرنے کی بجائے اُسے چھوڑ کر دُور کھڑے ہو جاتے ہیں۔ وہ حیران ہو کر وجہ پوچھتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ "ہم اللہ کے لئے تجھ سے جنگ کر رہے تھے۔ تو نے جو ہمارے منہ پر تھوکا ہے تو اس سے ہمیں غصّہ آیا۔ اب اس غصّہ کے تحت جو تجھ کو قتل کرتے تو وہ اللہ کے لئے نہ ہوتا بلکہ اپنی ذات کے لیے ہوتا اور ہم یہ جہاد اپنی ذات کے لئے نہیں کرتے بلکہ محض اللہ کے دشمن سے اللہ کے واسطے جہاد کرتے ہیں"۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ وہ شخص اسلامی حقانیت کا یہ رنگ دیکھ کر مسلمان ہو گیا۔ اس واقعہ کی طرف مولانا رومؒ نے بھی مثنوی شریف میں اشارہ کیا ہے۔

یعنی خلاصہ یہ کہ حضور سید الانبیاءؐ کی تعلیم سے تمام خلق ایک کنبہ ہو گئی۔ اور اب قوم کے نام پر جنگ نہیں رہی۔ ملک کے نام پر قتال باقی نہ رہا۔ البتہ اللہ کے باغی سے اس وقت جنگ ہو گی جب کہ امنِ عامہ میں خلل ڈال کر اللہ کے بندوں کے لئے آزار ہو گا۔

حضورؐ کے زمانے سے لے کر خلافتِ راشدہ کے زمانے تک تو کلیتہً تمام غزوات اور جہاد کا صرف یہی واحد مقصد ہوتا تھا ان کو اپنی فتح وشکست سے بھی بحث نہیں ہوتی تھی۔ ہزاروں تاریخی واقعات اسکی تائید میں ملتے ہیں جو خوفِ طوالت سے نظر انداز کئے جاتے ہیں۔ رومن حکومت کے ساتھ تصادم کے دوران میں جب مسلمانوں سے یہ پوچھا گیا کہ آخر تم ہمارے ملک میں کس لیے آئے تو صحابہ نے یہی جواب دیا کہ اللہ کا پیغام پہنچانے کے لیے۔ غرض قومیت کے رشتہ کی جگہ اللہ کے بندے ہونے کا رشتہ ایسا مستحکم اور وسیع رشتہ ثابت ہوا، کہ دنیا کی ایک بڑی اکثریت اس میں منسلک ہو کر عام دنیا میں پھیل گئی۔ اللہ کا اقرار کرنے والے اس جماعت میں شامل ہوتے گئے اور سب کو مساوی حیثیت اور حق اخوت ملتا رہا۔ اگر غلام بھی آئے۔ تو حق برادری کے لحاظ سے ان کی اہلیت کا جائزہ لے کر اپنے بیٹے اور بھائیوں کو چھوڑ کر ان کے سر پہ تاج رکھ دیا گیا اور ان کو تخت پر بٹھا دیا گیا۔ اگر دور نہ بھی جائیں تو ہندوستان میں خاندانِ غلاماں

کا زمانہ مثال کے طور پر آپ کے سامنے ہے۔ جنھوں نے لفظاً نہیں بلکہ معناً اور حقیقتاً اسلامی اخوت کے لحاظ سے اپنا تخت و تاج اپنے بھائی اور بیٹوں کو چھوڑ کر اپنے اُن اسلامی بھائیوں کو دے دیا، جو صرف رشتۂ اسلامی کے لحاظ سے بھائی تھے۔ اگرچہ اصطلاحاً وہ غلام کہلائے جا رہے تھے اور حسب اور نسب کے بھائیوں کو اس لئے چھوڑ دیا گیا کہ ان سے زیادہ وہ لوگ اہل نظر آئے، جن سے اللہ کے بندوں کو زیادہ راحت حاصل ہو سکتی تھی۔ اور نظام حکومت زیادہ مستحکم رہ سکتا تھا ؛

ان تاریخی واقعات سے یہ ثابت ہو گیا کہ واقعی جناب سید الانبیاءؐ کی تعلیمات کے زیرِ اثر ایک اللہ کے کروڑوں پرستار مختلف وطن اور قومیت کے باوجود ایک بڑی سوسائٹی اور برادری میں منسلک ہو گئے اور اس عظیم الشان برادری میں ہر نیا آنے والا ایک ساعت میں کروڑوں بھائیوں کی ہمدردیاں اپنے لیے میسر پاتا تھا ؛

کاش ہم ان تعلیمات کو آج بھی اور آج کے بعد بھی اسی طرح یاد رکھیں جس طرح ان تعلیمات کو دیگر لاکھوں بندگان خدا نے یاد رکھا۔ یہی وہ تعلیمات ہیں جن کی بنا پر BERNARD SHAW برنرڈ شو جیسا مشہور و معروف مصنف، ادیب اور مفکر یہ کہنے پر مجبور ہو گیا :-

"اگر اس وقت یورپ کی عنان حکومت محمد رسول اللہؐ جیسی شخصیت کو دے دی جائے تو ہماری سب مصیبتیں دور ہو جائیں۔"

خالد شیلڈرک کہتے ہیں کہ :-

"مغرب و مشرق بلکہ تمام دُنیا اس وقت بے چین ہے۔ دُنیا کا ہر فرد امن و سکون کے لئے سرگرداں ہیں۔ لیکن یہ امن و سکون اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا۔ جب تک تمام دُنیا میں مذہب اسلام کی حکومت نہ ہو۔ کیونکہ اسلام میں مسلمانوں عیسائیوں، یہودیوں اور ہندو غرض سب کے لئے امن ہے۔ اور تمام مذاہب میں اسلام ہی ایسا مذہب ہے جو دُنیا میں بسنے والے تمام انسانوں کو سکونِ قلب عطا کرتا ہے۔ اگر اس دعوے کی صداقت درکار ہو تو تعصب چھوڑ کر اسلام کی تعلیم کا بغور مطالعہ کرو۔"

سیدالانبیاء اور آپ کا فقید المثال طرزِ تعلیم

انسان کی خلقی اور نفسیاتی کمزوریوں کے باوجود اس نادر طرزِ تعلیم کا نتیجہ

بعثت کے وقت نسلِ انسانی کا جو حال آپ سن چکے ہیں اس کو ذہن میں رکھیں اور قرآن میں اللہ تعالےٰ نے انسان کی جو نفسیاتی کیفیت جگہ جگہ بتائی ہے، اس پر بھی نظر ڈالیں۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ انسان کی نفسیاتی کمزوریاں اتنی ہیں کہ انسان ان کا شکار ہو ہی جاتا ہے۔ پھر ایسے انسان کو روحانی سربلندیوں تک پہنچانا کتنا مشکل کام ہے۔ فی الحال آپ قرآن کی روشنی میں انسان کی نفسیات پر ایک تفصیلی نظر ڈالیں کہ خود خالقِ انسان نے اس کی کمزوریوں کو جتایا ہے:

۱۔ وَخُلِقَ الاِنْسَانُ ضَعِیْفاً : انسان بلحاظ پیدائش کے کمزور ہے۔

۲۔ وکان الاِنسانُ عجولا : انسان بڑا جلد باز ہے۔

۳۔ وکان الانسان کفورا : انسان بڑا ناشکر گذار ہے۔

۴۔ وکان الانسان اکثر شیئٍ جدلا : انسان بہت جھگڑالو ہے۔

۵ - وکان الانسان قتورا : انسان بہت تنگ دل ہے ۔

۶ - وکان الانسان ظلوماً جہولاً انسان ظالم اور جاہل ہے ۔

۷ - انّ الانسان خُلِقَ ھلوعاً - اذا مسّہ الشرُّ جزوعاً و

اذا مسّہ الخیر منوعاً - (ترجمہ) یقیناً انسان پیدائشی طور پر بے صبر ہے جب کوئی برائی وارد ہوتی ہے تو مضطرب ہو جاتا ہے اور جب بھلائی وارد ہوتی ہے (خیر سے) منع کرنے والا بن جاتا

۸ - واذا انعمنا علی الانسان اعرض و نا بجانبہٖ و

اذا مسّہ الشرّ کان یؤساً : جب ہم انسان پر انعام کرتے ہیں تو

وہ روگردانی کرتا ہے جب شر سے واسطہ پڑتا ہے تو مایوس ہو جاتا ہے ۔

۹ - ولئن اذقنا الانسان منّا رحمۃً ثمّ نزعنٰھا

منہ انّہ لیئوسٌ کفورٌ : اور اگر ہم چکھا دیں آدمی کو اپنی طرف

سے رحمت پھر کھینچ لیویں ہم اُس سے اسکو تحقیق وہ البتہ ناامید ناشکرا ہے ۔

۱۰ - وان تعدّوا نعمت اللّٰہ لا تحصوھا - ان الانسان

لظلومٌ کفّارٌ : اور اگر گنو نعمتیں اللہ کی ۔ نہ پورا گن سکو گے تحقیق

انسان ظلم کرنے والا ہے ۔ کفر کرنے والا ۔

۱۱ - ولقد خلقنا الانسان من صلصالٍ مّن حماٍ

مسنونٍ : البتہ تحقیق پیدا کیا ہم نے آدمی کو بجنے والی مٹی سے

جو بنی تھی کیچڑ سڑی ہوئی سے ۔

۱۲ - خلق الانسان من نطفۃٍ فاذا ھو خصیمٌ مبینٌ

پیدا کیا انسان کو نطفہ سے پس ناگہاں وہ جھگڑنے والا ہے ظاہر ۔

۱۳۔ واذا انعمنا علی الانسان اعرض ونا بجانبہٖ واذا مسّہ الشرّ فذو دعاءٍ عریض ۔ اور جس وقت نعمت دیتے ہیں ہم اوپر آدمی کے منہ پھیر لیتا ہے اور دور کر لیتا ہے کروٹ اپنی کو اور جب لگتی ہیں اس کو برائی پس دعا مانگتا ہے چوڑی۔

۱۴۔ قتل الانسان ما اکفرہ : مارا جائیو انسان کیا ناشکر گزار ہے۔

۱۵۔ اِنّ الانسان لیطغیٰ : تحقیق آدمی سرکشی کرتا ہے۔

۱۶۔ ان الانسان لربہٖ لکنود : تحقیق آدمی واسطے رب اپنے کے ناشکرا ہے۔

خالقِ کائنات اور خالق انسان نے انسان کی خلقت اور انسان کی خصلت دونوں کو واضح طور پر بیان کر دیا۔ گویا خلقت اور خصلت کے لحاظ سے انسان ضعیف بھی ہے۔ جابر باز بھی ہے ناشکر گذار بھی ہے۔ جھگڑنے والا بھی ہے۔ تنگ دل بھی ہے۔ ظالم و جاہل بھی ہے بے صبر بھی ہے۔ اضطراب کرنے والا ہے۔ مایوس ہو جانے والا بھی ہے۔ خیر سے روکنے والا بھی ہے۔ نعمت پر روگردانی کرنے والا بھی ہے۔ رحمت پر نا امید ہونے والا بھی ہے۔ رحمت عطا کرنے پر بھی نزع کرتا ہے تو نا امید اور ناشکر گزار ہے۔ سختی کے بعد اگر انعام کریں تو سمجھتا ہے اس کے سارے گناہ دھل گئے (بے جا اور حد سے زیادہ) خوشی منانے والا ہے۔ شیخی خورہ ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ اس کی ساخت سڑی ہوئی مٹی اور نطفہ سے ہوئی ہے۔ اس کے باوجود سرکش ہے خلاصہ یہ ہے کہ

قتل الانسان ما اکفر

یہ ہے وہ انسان جس کی ہدایت کے لیے انبیاءؑ آئے تو اس نے ان کی پوری تعلیم تو درکنار بنیادی اور پہلا اصول بھی بھلا دیا۔ یعنی خدا کی توحید ہر نبی نے سکھائی۔ مگر انسان نے ہر دفعہ اس تعلیم کو فراموش کیا۔ حتیٰ کہ حضرت ابراہیمؑ کے کعبہ میں جو صرف خدائے واحد کی عبادت کے لئے بنایا گیا تھا ۳۶۵ بت لاکر رکھ دیئے۔ نتیجہ یہ کہ ایسا انسان پوری پوری تعلیمات اور پورے فضائل اخلاق کو کیا یاد رکھتا۔ آخر وہ وقت آیا کہ یہ کام یعنی نسل کی کی تعلیم کُل سید الانبیاءؐ کے سپرد ہوئی۔ اب دُنیا بھی بھر پور دنیا ہو چکی تھی۔ دنیائے قدیم و جدید کا چپہ چپہ نسل انسانی سے آباد ہو چکا تھا۔ صدر کائنات کا اب اس شان سے ظہور کرنے کا وقت آگیا کہ ؎

مسیحا باد و خضرش ہمرکاب و ہم عناں یوسف
فغانی آفتاب من بریں اعزاز می آید

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم و آلہٖ وسلم کو اس نسل انسان کی ہدایت کے لئے ایسا طریقہ اختیار کرنا مقصود تھا جو پوری تعلیمات کو تمام عالم میں برق و باد کی طرح پھیلا دے اور ایسا ذہن نشین کر دے کہ ہزاروں سال بعد بھی بشری کمزوریوں کے باوجود انسان بنیادی تعلیمات کو فراموش نہ کر سکے اور پوری تعلیمات کو یاد رکھنے پر روحانی اور مادی ترقی کے لحاظ سے فلک الافلاک پر پہنچ جائے۔

اخلاق انسانی کی درستی کے لیے مصلحین بھی ہوتے ہیں مقننین بھی ہوتے ہیں۔ مصلح کا کام یہ ہے کہ وہ صدور افعال کے بعد لوگوں کو اچھے اور بُرے کاموں کا فرق بتائے۔ اچھے کاموں کی ترغیب دے۔ بُرے کاموں سے منع کرے۔ مقنن کا کام بھی صدور افعال کے بعد شروع ہوتا ہے اور وہ بُرے افعال کے صدور کے بعد سزا دے کر آئندہ انسان کو ان سے باز رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ مگر صدور افعال کا منبع قلب ہوتا ہے۔ قلب انسانی کی درستی کی طرف نہ مصلح کی توجہ ہوتی ہے نہ مقنن کی۔ اور اگر قلب کی اصلاح کی طرف یہ لوگ توجہ بھی کریں تو یہ کام اُن سے کما حقہٗ بن نہیں پڑتا۔

(۱) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کی اصلاح کے لئے سب سے بہتر طریقہ اختیار فرمایا۔ یعنی یہ کہ سب سے پہلے قلب کی اصلاح فرمائی۔ تاکہ اس کی اصلاح کے بعد افعال قبیحہ صادر ہی نہ ہوں کہ بار بار سزا اور دارو گیر کی نوبت آئے۔ اس لئے حضور نے اپنے مواعظ حسنہ کو خشیت الٰہی سے شروع کیا اور لوگوں کے دلوں میں اللہ کا ڈر اور خشیت پیدا کی۔ چنانچہ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ مکی آیات میں تمام تر خشیت الٰہی کی تعلیم ہے۔ جب لوگوں کے دل اللہ کے خوف سے ڈرنے لگے تو احکام الٰہی کی تعلیم شروع ہوئی۔ اسی لئے مدنی آیات میں کثرت سے احکام الٰہی صادر ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ مدنی زندگی میں احکام کے صادر ہوتے ہی معاً گھر گھر میں ان کی تعمیل

ہو جاتی تھی۔ چنانچہ شراب کی حرمت کا حکم آتے ہی شراب جہاں تھی پھینک دی گئی۔

(۲) حضورؐ نے اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی صفات مثلاً اس کا سمیع و بصیر ہونا ان کو واضح طور پر بیان فرمایا۔ مصالح اور مقنن اس لیے بھی فیل ہو جاتے ہیں کہ ان کے پاس کوئی ایسی قوت نہیں جو جو غائبانہ افعال کی نگرانی کر سکے۔ اب لوگوں پر یہ اثر بھی پڑا کہ اللہ حاضر و ناظر ہے۔ سنتا ہے۔ دیکھتا ہے معصیت کا ارتکاب اس لیے بھی ختم ہو گیا کہ ہر دل میں اس تعلیم نے گھر کر لیا اور ارتکاب افعال کے وقت ان کے دماغ میں یہ خیال رہتا تھا کہ اللہ دیکھ رہا ہے۔

(۳) پھر حضور کی تعلیمات میں یہ پہلو بھی تھا کہ خدا کی خدائی اور آمریت ہر جگہ ہے۔ مجرم اس سے بچ کر بھاگ نہیں سکتا۔ جیسا کہ اس آیۂ پاک سے واضح ہے:

یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ۔ ترجمہ: اے گروہ جن و انس اگر تمہیں مقدرت ہو کہ حدود آسمان و زمین سے نکل سکو تو نکل جاؤ۔ مگر تم آسمان و زمین کی حدود سے ہرگز نہیں نکل سکو گے۔ مگر اللہ کی طاقت کے ساتھ۔

مصلح اور مقنن اس لیے بھی فیل ہو جاتا ہے کہ مجرم اس کی حدود قانونی سے بھاگ سکتا ہے۔

حضورؐ کی تعلیمات کا ایک نادر پہلو یہ بھی تھا کہ انسان نہ اتنا نڈر ہو کر اپنے افعال میں بے غل و غش ہو جائے اور نہ گرفت اور مواخذہ کی سختی سے اتنا سہم جائے کہ مایوس ہو کر بیٹھ رہے حضورؐ کی تعلیمات میں انتہا درجہ ہمت افزائی کا پہلو تھا۔ اور یہ بات آج بیسویں صدی کا ماہر تعلیم بھی بے چون و چرا تسلیم کرے گا کہ ہر تعلیم میں ہمت افزائی کی انتہا درجہ ضرورت ہے۔ چنانچہ حضورؐ اللہ کے جبار و قہار ہونے سے اور سخت مواخذہ سے بھی ڈراتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے غفور الرحیم اور تواب الرحیم ہونے کا وعظ بھی فرماتے تھے۔

(۵) اصول توبہ جس طرح حضورؐ نے قائم کیا۔ نہ عیسائیت قائم کر سکی اور نہ ہی آج کی ہندو قوم اور نہ دیگر اقوام و مذاہب قائم کر سکے۔ کفر و شرک وہ سنگین گناہ ہیں جن کی سزا ہیں خلود فی النار یعنی انسان ہمیشہ جہنم میں رہتا ہے۔ مگر کفر و شرک اور دیگر سنگین گناہ بھی توبۃ النصوح کرنے سے معاف ہو جاتے ہیں۔ اور انسان از سر نو اعمال حسنہ کا آغاز کر کے داخل جنت ہو سکتا ہے۔ درآں حالیکہ ایک طرف عیسائیت یہ سکھاتی رہی کہ حضرت عیسیٰؑ اپنی تمام امت کے اعمال قبیحہ کا کفارہ ہو گئے اور اب ہر ایک نجات کا مستحق ہے۔ اس نے انسان کو معصیت کے میدان میں آزاد کر دیا۔ ہندو عقیدہ یہ ہے کہ کرم یعنی عمل اگر برے ہیں تو ان کی سزا لازمی ہے۔ اس نے بھی لوگوں کی ہمت کو شکستہ کر دیا۔

غرض حضورؐ نے اپنی نادر تعلیمات کو نہایت نادر طریقوں سے پھیلایا
نتیجہ یہ ہوا کہ پوری قوم کے اعمال اس طرح درست ہو گئے کہ اگر بشریت
کے اقتضا سے کسی سے کوئی لغزش ہو بھی گئی تو اس نے سزا کے لئے
اپنے آپ کو خود پیش کر دیا۔ چنانچہ ایک عورت حضورؐ کی خدمت میں
آتی ہے اور کہتی ہے کہ "یا رسول اللہ! مجھے پاک کر دیجئے" گویا اب
وہ معصومیت کی آلودگی سے مضطرب ہے اور سزا طلب کر رہی ہے چنانچہ
اس کے گناہ کی سزا دے دی گئی۔ کیا دنیا میں ہم یہ نہیں دیکھتے کہ ملزم مواخذے
سے بچتا ہے، بھاگتا ہے، قانون اور منتقن اس کو ڈھونڈتا ہے اور تلاش
کرتا ہے۔ یقیناً نسل انسانی کی یہ وہ اصلاح ہے جس کی مثال مل نہیں
سکتی۔ اس اصلاحی تغیر کو دیکھ کر آپ قلب ماہیت نہ کہیں گے تو اور
کیا کہیں گے کہ مجرم اور گنہگار اپنے گناہ کے سبب سے نہ بھاگتا ہے اور
نہ اپنے گناہ کو چھپاتا ہے بلکہ اس کی اصلاح چاہتا ہے۔ اس کے ساتھ
ہی ذکر کثیر کی تعلیم یعنی اللہ تعالٰے کی یادآوری کے علاوہ نماز پنجگانہ کے
دیگر اوقات میں شدت سے بجا لانے کی تعلیم دی جا رہی تھی۔ اللہ کے
بندوں سے حسن سلوک سے پیش آنے کی تاکید بھی تھی اور زندگی کے ہر
پہلو پر ہدایات جاری تھیں اور ان پر برابر عمل کیا جا رہا تھا۔ یہ تعلیمات
اس شدت سے اثر انداز ہوتی چلی گئیں کہ اس انسان کی روحانیت
فلک الافلاک پر پہنچ گئی۔ جس انسان کی خلقت اور جس انسان کی خصلت
ارشادات قرآنی کی روشنی میں ہم دیکھ پڑھ چکے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اب

وہ انسان جو جاہل تھا، ظالم تھا، جھگڑے والا تھا، ناشکر گزار تھا، وہ انسان بن گیا۔ جس سے اب خالق کائنات خوشنود ہو کر فرماتا ہے:

۱۔ رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ ذالک لمن خشید ربہ۔ اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔ یہ اس کے لئے ہے کہ اپنے رب سے ڈرے۔

۲۔ ولقد کرّمنا بنی آدم: ہم نے انسان کو عزت دی اور معزز کیا۔

۳۔ فقد فاز فوزاً عظیما: یہ بہت بڑی مراد مندی اور کامیابی ہے

اب وہ ہی انسان ان ارشادات الٰہی کا مخاطب ہے۔

۴۔ اذا سئلک عبادی عنی۔ فانی قریب: اے ہمارے حبیب! جب میرے بندے تم سے میرے متعلق سوال کریں (تو آپ کہ دیں) کہ وہ (اللہ) قریب ہے۔

۵۔ نحن اقرب الیہ من حبل الورید: ہم ان سے ان کی شہ رگ سے زیادہ قریب ہیں۔

اب وہ ہی انسان ہے جس کے حق میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

۶۔ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا: آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کو تمام کر دیا اور تمہارے لئے دین اسلام سے راضی ہو گیا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فیضان تلقین سے اللہ تعالیٰ

کی آیات اور نشانیوں کو پا کر اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لا کر انسان نے خود
کو اعمال حسنہ سے آراستہ کر لیا اور اب وہ اللہ کے اس خطاب اور
اس عطا کا سزاوار ہے۔

۷۔ انما یومن بآیاتنا الذین اذا ذکروا بہا خروا سجدا و
سبحوا بحمد ربہم وہم لا یستکبرون۔ تتجافی
جنوبہم عن المضاجع یدعون ربہم خوفا و طمعا
و مما رزقنہم ینفقون۔ فلا تعلم نفس ما اخفی
لہم من قرۃ اعین جزاء بما کانوا یعملون۔

ترجمہ: سوائے اس کے نہیں کہ ایمان لاتے ہیں ہماری نشانیوں پر وہ لوگ کہ جب یاد دلائی جاتی ہے ان کو گر پڑتے ہیں سجدہ میں اور پاکی بیان کرتے ہیں اپنے پروردگار کی۔ اللہ سے ڈرتے ہوئے اور اللہ سے طمع کرتے ہوئے اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس سے خرچ کرتے ہیں اللہ کی خوشنودی کے۔ پس کوئی نہیں جانتا کہ ان کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک کی قسم سے کیا چیز چھپائی گئی ہے۔ ان اعمال کے عوض کے طور پر جو وہ کرتے ہیں۔

حضورؐ کے فیضان تلقین سے وہ انسان جن کی خصلتیں ابتدائی عنوان میں بتائی گئی ہیں۔ اب ان کے اعمال کی یہ کیفیت ہو گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کا ذکر قرآن کے حسب ذیل شاندار الفاظ میں فرماتا ہے اب ان کی صفات یہ ہیں۔

۸۔ التائبون العابدون الحامدون السائحون الراکعون

السَّاجِدُوْنَ الاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ ○

ترجمہ:۔ توبہ کرنے والے ہیں عبادت کرنے والے ہیں اللہ کی۔ تعریف کرنے والے ہیں۔ خدا کی راہ میں سیاحت کرنے والے ہیں۔ رکوع کرنے والے ہیں۔ بھلائی کا حکم کرنے والے ہیں اور نامعقول باتوں سے منع کرنے والے ہیں اور اللہ کی حدود کی نگہبانی کرنے والے ہیں۔ بس بشارت دیجئے ایمان والوں کو۔

ابھی حضورؐ کا شاہ کار جاری ہے۔ ابھی اس ابر گہر بار کی گہر باریاں اس سے زیادہ نور عظیم عطا فرمانے پر آمادہ ہیں۔ ابھی انسان کو ملائکہ مقربین پر فوقیت حاصل کرنی ہے۔ ابھی اللہ کی محبوبیت کے مقام خاص تک پہنچنا ہے۔

اس کی تائید میں ہم حضورؐ کی صرف دو حدیثیں پیش کریں گے۔ حضور فرماتے ہیں: "میں اپنی امت کے ان لوگوں کو پہچانتا ہوں کہ وہ نہ نبی ہوں گے اور نہ شہید مگر حشر میں انبیاء ان پر غبطہ کریں گے۔"

ظاہر ہے کہ انبیاء ملائکہ سے افضل ہیں۔ پھر بارگاہِ قدس میں حضور کی امت کے ان برگزیدہ لوگوں کا کیا مرتبہ اور اعزاز ہوگا۔ جو انبیاء کے لیے باعث رشک ہوں گے۔

حضور کی حدیث ہے "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ جب نوافل کے ذریعے

بندہ میرا قرب ڈھونڈتا ہے تو میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے .... الخ

گویا یہ وہ ہی مقام محبوبیت ہے جس کی طلب اور حصول کا طریقہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں تعلیم فرمایا ہے۔ وہ یہ ہے کہ شدت سے حضور کی اتباع کی جائے، تو حضورؐ جس مقام محبوبیت میں ہیں اس مقام محبوبیت کے صدقے میں امت کو بھی حسب حیثیت محبوبیت کا ایک مقام حاصل ہو جاتا ہے جس آیت کی طرف ہم اشارہ کر رہے ہیں اور جو اپنے ہمارے اس مضمون کی تائید کر رہی ہے ملاحظہ ہو:

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ

(اے ہمارے حبیب) کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو۔ (نتیجہ یہ ہوگا) کہ اللہ تعالیٰ خود تم سے محبت کرے گا (یعنی تم اللہ کے محبوب ہو جاؤ گے)۔

یہی وہ مقام ہے کہ جب بندہ سوتی صدی اور شدت سے اتباع

محمد رسول اللہ بجا لاتا ہے تو وہ مقام محبوبیت تک پہنچتا ہے اور اس کا حال یہ ہوتا ہے ؎

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

یا یہ کہ ؎

اولیا را ہست قدرت از الٰہ
تیرِ جستہ باز گرداند ز راہ

مقام محبوبیت، حصّہ بانٹنے کی چیز نہ تھی مگر حضور کی فیاضیاں اس حد تک ہیں کہ مقام محبوبیت سے بھی اُمّت کو حصّہ عطا ہُوا۔ اور حصّہ عطا ہوتے رہنے کا سامان بھی مستقل طور پر ہو گیا۔

غزوۂ بدر میں جس وقت حضورؐ نے عریشہ میں دعائے فتح و نصرت فرمائی تھی اور فتح و نصرت کی بشارت لے کر حضورؐ نے سجدہ سے سر اُٹھایا تھا، تو وہ وہی وقت تھا جب کہ گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی۔ حضورؐ نے جنگ کا یہ نقشہ دیکھا اور ایک مٹھی خاک کی کفار پر پھینکی اور فرمایا۔

شاھت الوجوہ ؛ ان کے چہرے بگڑ گئے۔

اس کا یہ اثر ہُوا کہ دشمن کی صفیں منتشر ہو گئیں۔ دشمن کے قدم اُکھڑ گئے۔ اور ستّر مقتول اور ستّر قیدی میدانِ جنگ میں چھوڑ کر دشمن بھاگ گیا۔

حضورؐ کے اس فعل کو اللہ تعالیٰ نے کس درجہ اپنایا کہ قرآن میں اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى

(ترجمہ)

"جب آپؐ نے مٹھی بھر خاک پھینکی تھی، وہ دراصل آپؐ نے نہیں پھینکی تھی۔ بلکہ اللہ نے پھینکی تھی"

ایک دوسرا واقعہ یاد کیجئے جو اس کے مشابہ ہے۔

صلح حدیبیہ سے پہلے حضورؐ نے حج کا ارادہ فرمایا ہے۔ صحابہ ساتھ ہیں۔ کفارِ مکہ حج نہیں کرنے دیتے بلکہ مکہ میں داخل بھی نہیں ہونے دیتے۔ گفت وشنید کے لئے حضرت عثمانؓ اہل مکہ کے پاس جاتے ہیں اور روک لئے جاتے ہیں۔ مشہور ہو جاتا ہے کہ حضرت عثمانؓ شہید کر دیے گئے۔ حضورؐ اپنے ہاتھ پر بیعتِ جہاد لیتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ اس بیعت کے متعلق فرماتا ہے"

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ۔ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۔ جن لوگوں نے آپ سے بیعت کی ہے۔ حقیقتاً انہوں نے اللہ سے بیعت کی ہے۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھ پر ہے۔

اس بیعت کے فعل کو بھی اللہ تعالیٰ نے اس قدر اپنایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیبؐ کے فعل کو بھی اپنا فعل بتاتا ہے۔ لوگوں نے دیکھا تھا کہ بیعت کے وقت حضور کا ہاتھ ان بیعت کرنے والوں

کے ہاتھ کے اُوپر تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھ کے اُوپر تھا۔

یہ ہے وہ مقام محبوبیت جو مقام خُلّت سے بھی افضل ہے۔ اور یہی وہ مقام محبوبیت ہے جس کا حصہ بٹنا دشوار تھا۔ مگر حضور کی فیّاضیاں مقتضی تھیں کہ اللہ کی بارگاہ سے اس محبوبیت کے مقام خاص سے اُمّت کو سرفراز فرمایا جائے۔ چنانچہ توفیق الٰہی نے جن کی دست گیری کی وہ حسب حیثیت اسی مرتبت سے سرفراز ہوئے اور اسی مقام تک پہنچے۔ اور یہ حضورؐ ہی کی تعلیمات کے صدقے سے ہوا۔ اور حضورؐ ہی کی اتباع کی بدولت میسّر آیا۔

اسی طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واقعۂ معراج ہے۔ وہ حضورؐ کے مقام محبوبیت کی وہ منزل ہے کہ کوئی مرسل اور نبی اس منزل تک نہ پہنچ سکا۔ اہل بصیرت نے اس واقعہ کی اہمیت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

نہ ہر دیدہ را دیدہ بانی دہند
نہ ہر سینہ را رازدانی دہند
نہ ہر گوہرے درۃ التاج شد
نہ ہر مرسلے اہل معراج شد
برائے سرانجام کار ثواب
یکے از ہزاراں شود انتخاب

یہی وہ مقام ہے جہاں جبرئیل امین نے حضورؐ سے عرض کیا ؎

اگر یک سر موٗ برتر پرم
تجلی نورش بسوزد پرم

لیکن حضورؐ کی جود و سخا ہے کہ حضورؐ کی معراج کے صدقے میں حضورؐ کی اُمت کے لیے بھی ایک معراج مقرر ہوئی چنانچہ حضورؐ فرماتے ہیں:

الصلوٰۃ معراج المومنین

یعنی نماز مومنین کی معراج ہے

حضورؐ کی اُمت اتنی سربلند ہے کہ حضورؐ کی اُمت کے اخص الخواص نے ایسی نمازیں بھی پڑھیں کہ اس نماز میں انہوں نے تقرب بارگاہ خداوندی میں دیدارِ خداوندی حضورِ خداوندی کی وہ لذتیں حاصل کیں کہ ایسے لمحات میں وہ دنیا و مافیہا سے اس قدر بے خبر ہوجاتے تھے کہ اگر اس حال میں ان کے جسم پر زخم بھی لگتے تو اس سے بھی خبردار نہ ہوتے۔ چنانچہ دو صحابی ایک غزوہ میں ایک پہاڑی پر نگرانی کے لیے مامور ہوتے ہیں۔ ایک صاحب نے اپنی نیند بھگانے کے لئے نوافل شروع کر دیے۔ یہ نیت باندھ کر کھڑے ہی تھے تو دشمن کیمپ میں سے کسی نے دیکھ لیا اور اُن پر تیر چلانے شروع کر دیے تیر بدن پر لگتے رہے۔ ان کے فارغ ہونے پر دوسرے صحابی نے دریافت کیا کہ تیر لگتے رہے مگر تم نے نماز ختم نہ کی۔ کہنے لگے کہ میرا

جی چاہا کہ جو سورت میں نے شروع کی تھی۔ اُسے پورا کرلوں۔ یہ ہے وہ نماز جو مومن کی معراج ہے اور یہ ہے لذتِ دید جو اس معراج میں عطا ہوئی ہے۔

اگر ہم سات سو سال بعد اس معراج کی کیفیت نمازوں میں دیکھنا چاہتے ہیں تو ہمیں پھر یہ کیفیت نظر آتی ہے۔ چنانچہ حضرت خواجہ نصیر الدین روشن چراغ دہلوی جن کو حضور خواجہ معین الدین چشتیؒ سے پانچواں واسطہ ہے۔ اپنی خانقاہ میں مصروف عبادت اور مصروف رشد و ہدایت رہتے تھے۔ اور ہر شاہ و گدا اکتساب فیض کے لئے آتا تھا۔ محلہ میں ایک جاہل نان بائی کی دُکان تھی۔ وہ یہ شان فقر دیکھ کر اپنی جہالت کی وجہ سے یہ خیال کرتا کہ شاید حضرت کو کیمیا بنانی آتی ہے۔ اسی لئے ہر شاہ و گدا ان کے در پر چلا آتا ہے وہ بھی اس خیال سے کبھی کبھی آپ کے پاس آکر کہتا کہ مجھے بھی کیمیا سکھا دیجئے حضرت فرماتے "بابا خدا کا ہر نام کیمیا ہے"۔ وہ نان بائی یہ سمجھتا کہ حضرت خواجہ نے مجھے ٹال دیا۔ ایک روز اس خیال سے کہ حضرت مجھے کیمیا نہیں بتاتے اس نے حضرت کو شہید کر دینے کا قصد کر لیا خنجر آستین میں چھپا کر تہجد کے وقت خانقاہ میں آکر آپ کے حجرہ عبادت میں داخل ہوگیا۔ اور آپ کے پہلو میں حالت نماز ہی میں خنجر کا ایک کاری زخم لگا دیا اور بھاگ گیا۔ حضرت خواجہ نصیر الدینؒ زخم سے بے خبر اپنی نماز میں لذتِ دیدار الٰہی (الصلوٰۃ معراجُ

المومنین) میں غرق تھے۔ مگر خون بہ کر حجرہ کی نالی سے باہر گ
نوان مریدوں نے دیکھا جو حجرہ کے باہر مصروف عبادت تھے غرض
وہ لوگ حجرہ میں آکر آپ کو آپ کے زخم سے مطلع کرتے ہیں۔ نماز سے
فارغ ہو چکے تھے اور ان کے مطلع کرنے پر اپنے زخم سے مطلع ہو
یہ ہیں اس معراج کی لذتیں جو حضور کی تعلیمات سے امت کے
حصے میں آئیں۔ کاش ہم بھی اس سے بہرہ مند ہوں۔

سیّد الانبیاء اور سلامتی دارین

ہر انسان سلامتی۔ عافیت اور امن چاہتا ہے۔ نیز یہ کہ اُس کے جملہ امور میں کسی بالادست کی مدد ہمیشہ میسّر رہے۔ اور اس کے کام بنتے چلے جائیں۔ اللہ سے زیادہ کون بالادست ہو سکتا ہے۔ وہ ہی خالق حیات ہے۔ اور اس حیات میں سلامتی۔ عافیت۔ امن اور کارسازی امور اسی کی طرف سے ہے۔ اگر وہ ہم سے خوش ہے تو ہمارے کام بنتے چلے جاتے ہیں اور ہم کو دارین میں امن و عافیت کی زندگی میسّر ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اس کے ناخوش ہونے کی صورت میں نتیجہ ظاہر ہے۔ ارشادات خداوندی اور ارشادات نبویؐ نے ہم پر یہ امر واضح کر دیا کہ اللہ کن باتوں سے خوش اور کن باتوں سے ناراض ہوتا ہے۔ نیز یہ کہ وہ کونسی خطائیں ہیں جن سے درگذر نہیں کی جاتی۔ ایسی خطاؤں سے بچنے کی بڑی سخت ضرورت ہے۔ چنانچہ کفر و شرک اللہ سے سرکشی۔ اللہ کے برگزیدہ بندوں سے انحراف۔ بے اعتنائی بے ادبی وہ خطائیں ہیں کہ ان سے درگزر نہیں کیا جاتا۔ ان برگزیدہ ہستیوں میں سیدالانبیاء اور دیگر انبیاء سب سے مقدم ہیں اور پھر اولیاء اور صالحین ہیں۔ کفر و شرک اور اللہ سے سرکشی کی سزا سے اکثر مسلمان واقف ہیں مگر اللہ کے برگزیدہ بندوں سے انحراف کی

سزا سے لوگ واقف نہیں۔ اس لئے اس دورِ حاضر میں اس امر کا واضح کر دینا ضروری ہے۔ اس عنوان کے تحت ہم جو کچھ عرض کریں گے وہ قرآن کی روشنی میں ہوگا۔

قرآن کریم نے متعدد مواقع پر حکم دیا ہے کہ اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ وہ حکم خدا جس کو رسول محترم ؐ نے پہنچایا اس کی تعمیل تو اطاعت حق ہے مگر اس کے علاوہ بھی رسول کچھ حکم دے سکتے ہیں۔ اس کی تعمیل اطاعت رسول ہے۔ اگر امر رسول کی اطاعت نہ کی جائے تو اس کی سزا خود قرآن کے الفاظ میں سماعت فرمائیں:۔

فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَن تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ

(ترجمہ) پس ان لوگوں کو ڈرنا چاہیئے جو ان کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں کہ وہ یا کسی فتنہ یا عذاب الیم میں مبتلا ہو جائیں گے۔

حکم رسول کو حدیثِ رسول ہم تک پہنچاتی ہے۔ منکرین حدیث اس حکم الٰہی کی بنیادیں ہلا رہے ہیں۔ وہ حدیث کا انکار کر کے حکم رسول کو سننا ہی نہیں چاہتے اور اس پر عمل سے گریزاں ہیں۔ جس فتنہ اور جس عذاب الیم میں ان کو مبتلا ہونا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے اس کو بھی واضح کر دیا۔

اب ہم ایک اور آیت پیش کرتے ہیں۔ اس سے اور واضح ہو

کہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں سے روگردانی کرنے کا کیا حشر ہوتا ہے

اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰٓی اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰھِیْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ۔

(ترجمہ) یقیناً اللہ تعالیٰ نے منتخب اور برگزیدہ کر لیا۔ آدمؑ کو۔ نوحؑ کو آلِ ابراہیم کو اور آل عمران کو۔

اس آیہ پاک سے یہ واضح ہو گیا کہ جناب آدمؑ۔ جناب نوحؑ۔ آل ابراہیمؑ۔ آل عمران کو اللہ تعالیٰ نے برگزیدہ کیا ہے۔

اسی طرح دیگر آیات سے دیگر برگزیدہ ہستیوں کا حال واضح ہوتا ہے اس وقت مذکورہ الصدر آیت کی روشنی میں ہم جناب آدم علیہ السلام کے واقعات پر نظر ڈالتے ہیں۔

جیسا یاد آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام فرشتوں کو حکم دیا تھا کہ اس برگزیدۂ حق کو سجدہ کریں۔ سوائے ابلیس کے سب فرشتوں نے جناب آدم کو سجدہ کیا۔ ابلیس نے سرکشی گستاخی کی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا سخت مواخذہ کیا۔ اس کو سخت ملامت کی اور ہمیشہ کے لئے راندۂ درگاہ کر دیا اور حکم ہوا کہ جب ہمارا قرآن پڑھو تو پہلے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ضرور پڑھو۔ اس کا یہ اثر ہے کہ آج بھی ستر کروڑ مسلمان قرآن کریم پڑھنے سے پہلے شیطان کو راندۂ درگاہ کہہ کر اس کے فریب سے بچنے کے لئے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں۔

غرض اس تعظیم جناب آدم علیہ السلام کے یہ معنی ہوئے کہ تمام عالم

ملکوت کا سر ایک برگزیدۂ حق کے لئے جھکایا جا سکتا ہے اور اس سے روگردانی کرنے والے کو سخت ترین سزا دی جا سکتی ہے۔

اس آیت پاک میں اللہ نے پھر ایک دوسرے برگزیدہ بارگاہ کا نام لیا ہے اور وہ جناب نوح علیہ السلام ہیں۔ اس لئے ہم جناب نوح کے واقعات میں دیکھتے ہیں کہ اُن سے اور اُن کی تعلیم سے چند نفوس کے علاوہ تمام نسل انسانی نے روگردانی کی تھی۔ اور جناب نوح نے اُن کے لئے بددعا کی تھی۔ قرآن کے الفاظ میں اس بددعا کو سُنیے۔

رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكَافِرِيْنَ دَيَّارًا ۔

(ترجمہ) اے اللہ کافروں کا ایک گھر بھی اس زمین پر نہ چھوڑ۔

اس برگزیدہ حق کے ان الفاظ کا اللہ تعالیٰ کو یہ پاس و لحاظ تھا کہ تمام نسل انسانی کو طوفان آب میں بہا دیا گیا۔

اب ہم آیت پاک کے تیسرے برگزیدہ گروہ پر غور کرتے ہیں اور وہ آل ابراہیم ہیں۔ آل ابراہیم میں جناب محمد رسول اللہ اور آپ کے آل اطہار پیدا ہونے والے تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے صرف جناب ابراہیمؑ یا جناب ابراہیمؑ کے فرزندان ارجمند جناب اسمٰعیل اور جناب اسحٰق کے اسماء ظاہر فرمانے کے بجائے جامع الفاظ میں آل ابراہیم کہہ کر محمد رسول اللہ اور آل محمد رسول اللہ کو شامل کر لیا۔ کہ وہ آل ابراہیم بھی ہیں اور آل محمد بھی ہیں۔ بلکہ ان کو دو دو نسبتیں حاصل ہو گئیں۔ یعنی نسبت ابراہیمی اور نسبت محمدی۔ جناب محمد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم اس انوکھی شان کے برگزیدہ بارگاہ ہیں کہ تمام انبیاء علیہ السلام کو جو خود برگزیدہ حق ہیں. حضور سید الانبیاء کے حق میں بہت کچھ فرمایا۔ بلکہ تاکیدی طور پر طور پر یہ فرمایا گیا کہ اُن پر ایمان لانا اور اُن کی نصرت و مدد کرنا۔ غرض اس امر کو اک عہد اور میثاق کی شکل میں پیش کیا اور انبیاء سے عہد و پیمان لیا۔ پھر اس کی خلاف ورزی پر سخت الفاظ میں تنبیہہ کی گئی۔ اب اس کو قرآن کے الفاظ میں سماعت فرمائیں:۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ۭ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰي ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ۭ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ۭ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ○ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○

(ترجمہ) اور جس وقت اللہ نے عہد لیا پیغمبروں سے کہ جو کچھ میں تم کو کتاب و حکمت سے دوں اور پھر تمہارے پاس تمہاری تصدیق کرنے والا پیغمبر آئے۔ تو تم ضرور اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا۔ پھر فرمایا۔ کیا تم اس کا اقرار کرتے ہو۔ انبیاء نے کہا۔ ہم اقرار کرتے ہیں پھر فرمایا تم گواہ رہنا اور میں بھی اس پر گواہ ہوں۔ اور فرمایا اس کے بعد جو اس عہد سے پھر جائیں وہ فاسق ہیں

اب اہل بیت جناب ابراہیمؑ کی برگزیدگی اور خصوصیت بھی ملاحظہ ہو۔ فرشتوں کی زبان نے جو کچھ کہا قرآن نے اُس کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے جس سے ان کا مورد رحمت ہونا ثابت ہے۔

رَحْمَتُ اللّٰهِ وَ بَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ۔

تمہارے اوپر اللہ کی رحمت اور برکتیں ہیں اے اس گھر کے رہنے والو۔

اللہ تعالیٰ نے اہل بیت محمد رسول اللہ کے لئے جو کچھ فرمایا ہے قرآن میں حسب ذیل الفاظ میں موجود ہے اور ان الفاظ سے ان کی برگزیدگی اور ان کے کمال فضل کا پتہ چلتا ہے۔ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو گناہ سے پاک رکھا اور پاک رکھنے کا وہ اہتمام کر دیا کہ اب یہ معصوم ہیں وہ آیت پاک یہ ہے۔

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ؕ

یقیناً اللہ کا یہ ارادہ ہے۔ اے اہل بیت رسول کہ تم سے معصیت کو دور کر دے اور تم کو ایسا پاک کر دے جو پاک کرنے کا حق ہے۔

یہ ہے اس برگزیدگی کی شان جو آل ابراہیم کے لئے بھی اور آل محمدؐ کے لئے خاص کی گئی۔ آل محمدؐ کا یہ شرف یاد رہے کہ وہ آل ابراہیم بھی ہیں اور آل محمدؐ بھی ہیں۔ اور اس لئے ان کو وہ شرف حاصل ہے جس کو شرف بالائے شرف کہا جاتا ہے۔ اسی لئے ان سے روگردانی کرنا برگزیدگانِ حق سے روگردانی کرنا ہے۔

نجات اسی میں ہے کہ ان سے تمسک کیا جائے اور ان کا دامن تھام لیا جائے۔ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے:

مَثَلُ اَھْلِ بَیْتِیْ کَسَفِیْنَۃِ نُوْحٍ مَنْ رَکِبَھَا نَجَا وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْھَا ھَلَکَ۔

(ترجمہ) میرے اہل بیت کی مثال سفینۂ نوح کی سی ہے۔ جس نے ان کا دامن تھام لیا اس نے نجات پائی۔ اور جس نے ان سے روگردانی کی۔ وہ ہلاک ہو گیا۔

یہ ہے کرم جناب سید الانبیاء کا کہ ہم پر نجات اور امن کی راہ ہر طرح واضح فرما دی۔ وہ امن جس کے ہم خواہش مند ہیں۔ اور وہ نجات جس کی ہمیں انتہا درجہ تمنا ہے

انسان کی ایک خواہش یہ بھی ہے کہ اس کو ہر ماحول میں غلبہ حاصل رہے۔ اور اس لئے جب وہ اپنے آپ کو مغلوب پاتا ہے۔ تو مضطرب ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حضور سید الانبیاء نے جو نسخہ حیات ہم کو عنایت فرمایا ہے۔ اس کی ایک اور آیت پیش کرتے ہیں۔ تاکہ یہ امر واضح ہو جائے کہ برگزیدگان خدا اور ان کے گروہ ہی کو اللہ تعالیٰ غلبہ عطا فرماتا ہے۔ اور ان کو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا دلی اور سرپرست بنا تا ہے۔

اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ رَاکِعُوْنَ ■

وَمَنْ یَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝

(ترجمہ) سوائے اس کے نہیں کہ تمہارا دوست اللہ ہے۔ اس کا رسول ہے۔ اور وہ اہل ایمان ہیں جو نماز پڑھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور وہ رکوع کرنے والے ہیں۔ اور جو کوئی اللہ رسول اور ان مومنین کو دوست رکھے یقیناً وہی غالب ہے۔

انسان یہ بھی چاہتا ہے کہ اُسے کسی کا اور کسی قسم کا خوف نہ ہو۔ بلکہ وہ ہمہ وقت خوش خبری سنتا رہے۔ اور مراد مندی سے سرفراز ہوتا رہے حضور سید الانبیاء نے جو نسخہ حیات ہم کو عطا فرمایا ہے اس میں ہم کو یہ نعمت بھی میسر ہے۔ ملاحظہ ہو :۔

الا ان اولیاء اللّٰہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون الذین آمنوا وکانوا یتقون، لھم البشریٰ فی الحیوٰۃ الدنیا وفی الاخرۃ ، لا تبدیل لکلمٰت اللّٰہ ، ذالک ھو الفوز العظیم ۝

(ترجمہ) خبردار ہو جاؤ کہ اولیاء اللہ کے لئے کوئی خوف اور حزن کی بات نہیں ہے۔ یہ وہی لوگ ہیں جو ایمان لائے اور جنہوں نے پرہیز گاری کو اختیار کیا۔ ان کے لئے خوش خبری اور بشارت ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

اُمت کے اولیاء اس مرتبہ پر فائز تھے اور اپنے حال میں مطمئن تھے بلکہ اللہ کی دعا سے اُن کے پاس بیٹھنے والوں کو بھی دنیا اور آخرت کی نعمتیں حاصل ہوئیں۔ جن کے واقعات پر ایک کتاب نہیں۔ بلکہ

متعدد کتابوں میں لکھی جا سکتی ہیں۔

غرض حضور سید الانبیاء کے صدقہ سے ہم کو ہدایت۔ سلامتی۔ بشارت۔ مراد مندی اور غلبہ سب کچھ حاصل ہو سکتا ہے۔ اس کے طریقے ہمارے سامنے موجود ہیں۔ دارین کی فلاح و بہبود کے دروازے اسی طریقہ پر گامزن ہونے سے کھل سکتے ہیں۔ مختصر یہ کہ:

وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ

تم سر بلند ہو۔ اگر تم مومن ہو

گویا صراط مستقیم دکھا دی گئی۔ اور اس کا نشان و پتہ دے دیا گیا مگر اس کا نشان و پتہ بھی مقام و مکان کے حوالہ سے نہیں دیا گیا۔ بلکہ اس صراط مستقیم پر چلنے والوں اور اللہ کے برگزیدہ بندوں کے حوالہ سے دیا گیا ہے۔ نمازوں میں جو کچھ پڑھتے ہیں یاد ہو گا۔ یعنی یہ کہ:

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ؕ

(ترجمہ) اے اللہ ہم کو سیدھا راستہ دکھا ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے اپنی طرف سے نعمتیں نازل کیں۔

اللہ تعالیٰ ہم کو بھی اس صراط المستقیم پر چلنے کی اور ان اہل نعمت سے ربط رکھنے کی اور ان کے اتباع کی توفیق عنایت فرمائے تاکہ ہم بھی ان کی طرح مورد نعمت ہوں۔

بحرمت النبی صلی اللہ علیہ وسلم و آلہ الامجاد

اس موقعہ پر جی چاہتا ہے کہ بارگاہ سید الانبیاء میں چند نعت کے پھول پیش کروں۔

نعت

اک اقلیم امن و اماں ڈھونڈتا ہوں
دیارِ شہِ دو جہاں ڈھونڈتا ہوں

میں فرمانِ احمدؐ کے سمت و نشاں پر
مِیں طیبہ میں باغِ جناں ڈھونڈتا ہوں

میں سدرہ سے اوپر۔ میں سدرہ سے نیچے
نبیؐ کے نقشِ پا کا نشاں ڈھونڈتا ہوں

یہ کون و مکاں ہے اور اک لامکاں ہے
یہاں ڈھونڈ کر پھر وہاں ڈھونڈتا ہوں

میں جسموں میں مردوں کے وہ نام لے کر
میں نبضوں میں روحِ رواں ڈھونڈتا ہوں

میں آنکھوں میں اپنی۔ میں پہنائے دل میں
دیارِ شہِ دو جہاں ڈھونڈتا ہوں

جبینِ دو عالم پہ جو نقش پا ہے
عبث اُس کی ارزِ گراں ڈھونڈتا ہوں

میں دامانِ اقدس کے سائے میں عارفؔ
میں ساتوں زمیں آسماں ڈھونڈتا ہوں

سید آلِ مزمل عارفؔ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مصنف کا نسب نامہ

الحمد للہ الذی کرمنے بالاصلاب العارفین ونسبنے بالاولیا الواصلین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ آلہ اجمعین ۔

امام الائمہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ

حضرت امام حسین علیہ السلام

حضرت امام زین العابدین ؒ

حضرت امام محمد باقر ؒ

حضرت امام جعفر صادق ؒ

حضرت امام موسیٰ کاظم ؒ

حضرت سید ادریس

حضرت سید ابراہیم

حضرت سید عبدالعزیز

حضرت سید نجم الدین

حضرت سید غیاث الدین حسن

حضرت خواجہ خواجگان حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی سنجری ثم اجمیری

حضرت خواجہ فخر الدین

حضرت خواجہ حسام الدین سوختہ

حضرت خواجہ قیام الدین بابر یال

حضرت خواجہ نجم الدین خالد

حضرت خواجہ کمال الدین حسن احمدؒ

حضرت خواجہ شہاب الدینؒ

حضرت خواجہ تاج الدین بایزید بزرگؒ

حضرت خواجہ سید نور الدین المشہور بالطاہرؒ

حضرت خواجہ رفیع الدین بایزید خوردؒ

حضرت خواجہ معین الدین ثالثؒ

حضرت خواجہ ابوالخیرؒ

دیوان سید علم الدینؒ

سید ابوالفتحؒ

سید عطاء اللہؒ

سید ہدایت اللہؒ

سید حفیظ اللہؒ

سید مسیح اللہؒ

پیر سید فضل علیؒ

پیر سید کرامت علیؒ

پیر سید خورسند علی شہیدؒ

سید آل نبی

سید آل مزمل

مزید تفصیلات خاندان حضرت جد امجد پیر سید خورسند علی شہیدؒ برادر عزیز سید آل مجتبیٰ کی تالیف "خاندان نبوت" میں درج ہیں۔



کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

شاہکارِ نبوت

عارف مصنفہ

سید آلِ مزمل پیرزادہ ایم اے لیکچرار اسلامیہ کالج، لائلپور
نبیرہ حضور خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ

ناشر
عظیم پبلشنگ ہاؤس، خیبر بازار پشاور